بسمِ ربی العظیم

بَیانٌ لِّلنّاسِ وَھُدًی وَّمَوعِظَۃٌ لِّلمُتَّقِینَ

۱۹۴۶ء (سورۂ آل عمران)

عروسِ سخن

۱۰۴۶

گنجینۂ کلام

۲۲۹

از

رسول جہاں بیگم صاحبہ مخفی بدایونی

بیگم جناب ڈاکٹر رفعت حسین صدیقی

۱۹۴۶ء

بار اوّل ایک ہزار جلد

مطبوعہ لبرٹی پرنٹنگ ورکس دہلی

انتساب

"شگفتہ ہوکے کلی دل کی پھول ہو جائے"

اگر یہ ہدیۂ مخفی قبول ہو جائے

مخفی

عرضِ حال

خدا کا شکر ہے کہ میری اتنی مدت کی محنت زیورِ طبع سے آراستہ ہو رہی ہے۔ میں نے اب تک جتنے اشعار کہے کبھی اس خیال سے جمع نہ کئے کہ انھیں شائع کرانے کی بھی ضرورت محسوس ہوگی۔ لیکن اسوقت اپنی قوم کو مصیبت میں دیکھ کر اس امر کو پایۂ تکمیل کو پہنچانے کا ارادہ کر لیا۔

میرا مقصد اس دیوان کی اشاعت سے کچھ اپنی تعریف و توصیف نہیں بلکہ قوم کی خدمت منظور ہے اور یہ ایسی خدمت ہے جسمیں قدمے، سُخنے، درمے سب شامل ہے۔ میں اسکی اشاعت کا بھی روپیہ اس سے نہ لوں گی۔

اسلام اور مسلمان جس دَور سے گذر رہا ہے اس سے دنیا واقف ہے۔ مخالفین اسکی تباہی پر کمر بستہ ہیں لیکن وہ اس بات سے شاید بے خبر ہیں کہ مسلمان کا دَورِ زوال ختم ہوا۔ اب انہیں بھی جینے کا سلیقہ آگیا ہے ؎

سرشکِ چشمِ مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا ۔۔۔ خلیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گُہر پیدا

میری شاعری کیا ہے؟ یہ میرے وقتاً فوقتاً کے دلی تاثرات و جذبات ہیں جو کبھی حُبِّ رسول کی صورت اور کبھی قومی درد کی شکل میں میرے قلم سے نکلتے رہے ہیں۔ یہ معلوم نہیں کہ میری خوش نصیبی ہے یا بدنصیبی

کہ میں اپنے دیوان کو غزلیات سے مزین نہ کرسکی۔ وہ کچھ اس وجہ سے نہیں کہ میں اسکی اہل نہیں ہوں۔ محض اس لئے کہ میری طبع حیا پرور نسوانی خودداری کے خلاف سمجھتی ہے کہ رکیک و مبتذل جذبات سے اپنی شاعری کو ملوث کرے۔ میں نے جو دو چار غزلیں لکھی ہیں اُن میں حتی الوسع فسانۂ گل و بلبل سے دُور رہنے کی کوشش کی ہے۔ عشق کے لائق میں ایک ہی ہستی سمجھتی ہوں اور اسکی تعریف آپ میری نعتوں میں دیکھ لیں۔

اصلاح و نظر ثانی کے لیے میں محترمی ضیاء احمد صاحب صدیقی پروفیسر شعبۂ فارسی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کی مرہون منت ہوں۔ یہ ضرور ہے کہ یہ کام وقت کی کمی کی وجہ سے عُجلت میں ہوا ہے اور ممکن ہے کچھ خامیاں رہ گئی ہوں۔ پروفیسر ضیا احمد صاحب کے علمی تبحّر۔ ناقدانہ نظر۔ زباں دانی۔ سخن فہمی، سخن سنجی۔ کا ایک عالم معترف ہے۔ اُنھوں نے جس محنت و ہمدردی سے میرا کام انجام دیا میں اسکی شکر گذار ہوں۔

آخر میں مجھے جناب حامد حسن قادری صاحب پروفیسر سینٹ جانس کالج آگرہ کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ اُنھوں نے 'چند لفظ'، سرورق، اور لوامع تاریخ سے میرے دیوان کو مزین فرماکر میری قدر افزائی کی۔

مخفی بدایونی

یکم نومبر ۱۹۴۵ء

فہرست مضامین

تعارف

بظاہر عجیب سی بات ہے۔ کچھ چھوٹا منھ بڑی بات کی قسم کی بات ——— کہ مجھ جیسی گم نام کم مایہ ہستی کو وہ اپنا تعارف پیش کرنے کی خدمت کا شرف بخش رہی ہیں۔ مگر مشہور چیز ہے: "دنیا میں ہر بیٹا یوسف ہوتا ہے" شاید کچھ بہ تقاضائے بشریت امّی نے مجھے اس کام کے لیے منتخب کیا ہے "ورنہ کے آمدی وکے پیر شدی" لہٰذا ان چند سطور کو سپردِ قلم کر رہی ہوں۔ گزارش احوال واقعی منظور ہے میری نگاہیں یوں تو بیٹی والی نگاہیں ہیں اور "مشک آنست کہ بہ بوید نہ کہ عطار بگوید" بہر حال تعمیلِ حکم میں مجملاً ان کے کلام پر اپنی فکر و استعداد کے مطابق تھوڑا سا اظہار رائے پیش کر کے فرض سے سبک دوشی حاصل کرنا ضروری ہے۔ نمونۂ کلام پیش کرنے سے پیشتر یہ ضروری سمجھتی ہوں کہ تعارف میں یہ ظاہر کر دوں کہ ان کے کلام کی وہ خصوصیات جو ان کی شاعری کا طرۂ امتیاز ہیں کہاں سے پیدا ہوئیں۔

بدایوں سے ایک میل کے فاصلے پر ایک مختصر سی بستی ہے جسے عارف پور نوادہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اسے ہمارے مورث کے جانشین عارف نے غل و گنجان آبادی سے دور رہنے کے لیے تعمیر کرایا تھا۔ بادشاہان اسلام کے زمانے میں ہمارے مورث کو خدمات کے سلسلے

میں چودہری کا خطاب اور نوسو نواسی گاؤں عطا ہوئے تھے۔ لیکن کچھ گردشِ ایام کے صدقے میں اور کچھ اولاد کی افزائش کے ساتھ تقسیم ہوتے گئے۔ میری امّی اسی جگہ کیسی کیسی دعاؤں اور کتنے ہی ارمانوں کے بعد سنہ ۶۳ میں ۹ زی الحجہ کو عالمِ وجود میں آئیں۔ امّی اپنے والدین کے لیے ایک متاعِ بے بہا تھیں۔ ان کی جس ناز و نعم سے پرورش ہوتی کم تھا۔ خصوصاً نانا ابا چودہری ناسال الدین مرحوم و مغفور ان پر جان چھڑکتے تھے۔ امّی کے بعد ایک بھائی اور ایک بہن بھی ہوئے مگر افسوس کسے معلوم تھا کہ ان سکون و امن سے زندگی بسر کرنے والی ہستیوں کے لیے کوئی المِ جانگداز بھی مقدر ہو چکا ہے۔ کسے خبر تھی کہ نانا ابا، چھ سال، چار سال اور چار مہینے کی ننھی ننھی جانوں کو بلکتا چھوڑ کر صرف ۳۹ سال ہی کی عمر میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جائیں گے۔ نانا ابا کے انتقال کے دو ہی برس بعد امّی اپنے بھائی سے بھی محروم ہو گئیں۔ نانا ابا اور ماموں کے مرنے کے بعد نانی اماں کے ساتھ سسرال والوں کی بے اعتنائیاں شروع ہو گئیں اور نانی اماں اپنے پدرِ بزرگوار چودہری احمد حسن مرحوم کے زیرِ سایہ رہنے لگیں۔ انھوں نے اپنی دونوں لڑکیوں کے نکاح کر دیے۔ ابھی نکاح کو ایک ماہ بھی نہ گزرا تھا کہ نانی اماں کو پیغامِ اجل آ پہنچا۔ انھوں نے اپنی ستم دیدہ معصوم لڑکیوں کو اپنے آغوشِ الفت سے محروم کر کے داعیٔ اجل کو ۴۵ سال کی عمر میں لبیک کہا۔ امّی کے نانا نے اپنی مرحومہ صاحبزادی کی ان بے کس نشانیوں کو دستور کے مطابق رخصت کیا۔ میری خالہ یعنی نور جہاں نور کی شادی ان کے خالہ زاد سے ہوئی تھی۔ ان کے حالاتِ زندگی ناظرین کو ان کے دیوان

سے معلوم ہوں گے۔

امی ایک معمولی سطح سے ارفع و اعلیٰ، جو شبلی، عاشق رسول ماں کی بیٹی ہیں۔ بچپن میں باپ کے سایہ سے محروم ہو جانے کی وجہ سے ان کی تمام تربیت میں ان کی ماں کی خصوصیات کا عنصر عمل پیرا ہے اور مذکورہ بالا صفات شعوری و غیر شعوری طور پر عکس فگن ہیں۔ نانی اماں عنفوانِ شباب میں بیوہ ہو گئیں۔ امی چونکہ اولاد اکبر تھیں اس لیے ان کی توجہ کا مرکز بنیں۔ تعلیم تو خیر بیسویں صدی کے اوائل پیدائش لڑکی کی جس معیار پر ہوتی ہوئی، مگر جوہر قابل کی نمائش کے لیے قدرت بھی سامان مہیا کرتی ہے۔ امی نے نانی اماں جیسی عاشق رسول ماں کی گود میں آنکھ کھولی اور نانا ابا کی بے وقت موت اور اپنے چچا کی بے اعتنائیوں کے سبب اپنی ننھیال میں پرورش پائی۔ جہاں کا ماحول معاشی افکار سے فراغت کی وجہ سے خالص علمی و ادبی تھا۔ پیدائشی صلاحیتیں ماحول کی مدد سے اور بھی اجاگر ہو جاتی ہیں۔ نانی اماں کے انتقال کے بعد ان کے نانا چودھری احمد حسن صاحب قبلہ نے جو ایک عالم پُر گو شاعر اور ادیب تھے اور ایک نابغِ فن کہلانے کی اہلیت رکھتے تھے، امی پر توجہ دی۔ ان کے ماموں ابوالحسن صاحب بصیر ایم۔ اے اور بھائی چودھری ابوالفضل صدیقی اسی ماحول میں پروان چڑھے۔ ان کے نام علمی و ادبی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔ امی بھی اسی ماحول سے متاثر ہوئیں۔ شعر و شاعری کی طرف ان کا رجحان ابتدا ہی سے تھا۔ لیکن اوائل عمر میں اس طرف خاص توجہ نہ کی۔ اس ذوق کی تکمیل میرے والد کی بدولت ہوئی۔ ابا جان شادی

کے وقت صرف انٹرنس پاس تھے۔ لیکن اُنھوں نے علی گڈھ میں اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور بالآخر ایم۔ایس۔سی۔ایل۔ایل۔بی و پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگریاں حاصل کر کے انگلستان چلے گئے۔ ان کی دورانِ تعلیم میں امّی بھی ان کے ساتھ علیگڈھ میں مقیم رہیں۔ جب ابا جان انگلستان گئے ہیں تو مجھے بھی ہوش آچکا تھا۔ میں اور میرے چھوٹے بھائی اقبال رفعت و اسلام رفعت امی کے دل بہلانے کا سامان تھے۔ لیکن وہ کچھ ایسی یادِ خدا میں محو ہوئیں کہ کھانے پینے کا بھی ہوش نہ رہا۔ آخر ان کی دعاؤں نے اثر دکھایا اور ابا جان سنہ ۳۷ء میں آکسفورڈ سے ڈی فل کی ڈگری حاصل کر کے عازمِ وطن ہوئے اور علیگڈھ ہی میں لیکچرار مقرر ہو گئے۔

امی کے ذوق شاعری کی تکمیل یوں ہوئی کہ ابا جان باوجود کیمسٹری کے منتہی ہونے کے ادبی ذوق رکھتے ہیں۔ شادی کے بعد اُنھوں نے امّی کے ان جذبات کا فراخ دلی و ہمت افزائی سے خیر مقدم کیا۔ جس کی عملی تشکیل ان کا یہ مجموعۂ کلام ——— پانچ چھ سالہ غور و فکر کا نتیجہ ——— آپ کے سامنے ہے۔ رجحان شروع ہی سے مذہب کی جانب تھا۔ لہٰذا نعت کا میدان منتخب ہونا ضروری امر تھا۔ امی کے دماغ کی سیاسی نشو و نما صرف ان کی شادی کے بعد ہوئی۔ اُنھوں نے سیاسی روشنی میں ابا جان سے اکتساب ضیا کیا اور علیگڈھ کے قیام کی پندرہ سالہ طویل مدت و فضا نے بھی دانستہ و غیر دانستہ طور پر ان کی شاعری و سیاست پر اثر ڈالا ہو گا۔

امّی ایک پختہ خیال خاتون ہیں۔ وہ زبانی جمع خرچ سے زیادہ عمل کی آدمی ہیں۔ اپنی زندگی کے تمامتر افعال و کردار میں رسول عربی کے نمونہ پر کاربند رہتی ہیں۔ وہ ایک سعادت مند بیٹی تھیں۔ ایک اطاعت شعار بیوی بنیں اور اب ——— اب ایک محبت کرنے والی "اماں" ہیں۔ وہ ایک پرخلوص اور عمل کرنے والی ہمدرد ملت ایک سچی عاشقِ رسول ہیں۔

اب ان کے کلام پر ایک اجمالی نظر ڈالیے کہ میں اپنی اس رائے میں کہاں تک حق بجانب ہوں۔ وہ سولہ آنے ایک مشرقی خاتون ہیں۔ ان کا دل دو نیم ہے مغربی فحاشی و عریانی سے، ان کا دماغ بے زار ہے الحاد و باطل کی ترویج و اشاعت کرنے والے ادب سے ان کی آنکھ پُرنم ہے مسلمانوں کی بے کسی و پستی سے اور یہ جملہ چیزیں ہر وقت ان کے رگ و پے سے ایک کرب کی صورت میں نمایاں ہیں۔ آپ غور کریں گے کہ ان کی ہر راگ کی تان

"می نمائی ہر دمے از منظرے"

رسولؐ عربی پر ٹوٹتی ہے۔ وہ رسولِ عربی کا ذکر بغیر اپنی آنکھ میں آنسو لائے نہیں کر سکتیں اور نہ کوئی نعت بغیر مرتعش آواز کے آج تک پڑھ سکیں۔

اسلامی تاریخ سے انھیں خاص لگاؤ ہے اور یہ انھی کی تجویز و آرزو تھی کہ راقم الحروف تاریخ اسلام میں ایم۔ اے پریویس کر چکی اور ان کا ارادہ ہے کہ ایم۔ اے کرنے کے بعد

اسلامی تاریخ کی تکمیل کے لیے مجھے یورپ کے ممالک اور مصر بھیجیں۔

جس وقت پر سکون منبر سے رسولؐ عربی سے خطاب کرتی ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خلوص اور رقت کا ایک دریا سا بہ رہا ہے۔ جب پر ہنگامہ سیاسی اسٹیج سے قوم کے نوجوانوں کو مخاطب کرتی ہیں تو سراپا جنگِ بدر کا رجز بن جاتی ہیں۔ اپنے ایک سلام میں کس قدر سوز و محبت کے ساتھ اپنے والی کی خدمت میں سلام پیش کرتی ہیں۔ ایک محبت کا دھارا سا بہ رہا ہے۔ الفاظ کا پیار ملاحظہ کیجیے۔ بندشوں کی عقیدت پر غور فرمائیے۔ رسولؐ عربی کی قلمی تصویر سامنے رکھ کر فرماتی ہیں:۔

سورہ واللیل کی تفسیر گھونگرو لے بال   کحلِ مازاغ البصر۔ آنکھوں میں ڈورے لال لال

تھے ڈھلے والشمس کے سانچے میں جسکے خط و خال   جسکی شیدا ہے خدائی جسکا عاشق ذوالجلال

رحمتِ عالم لقب ہو اور محمدؐ جس کا نام

اے صبا اس والیٔ طیبہ سے کہہ دینا سلام

ذرا ٹیپ کا بند ملاحظہ ہو۔ شبیہہ مبارک کی تفسیر فرما کر "رحمتِ عالم لقب ہو اور محمدؐ جس کا نام" کس پیاری ادا کے ساتھ والیٔ طیبہ کا نام ادا کیا ہے، جو عقیدت سے زیادہ محبت سے لبریز ہے۔ رسالت کی تعریف میں فلسفیانہ قسم کی روشنی ڈالتے ہوئے فرماتی ہیں:۔

مظہرِ حسنِ ازل تخلیق کا لُبِّ لباب   ایک نگاہ نے جسکی ذرروں کو بنایا آفتاب

دامنِ فاراں سے اٹھی وہ شعلۂ تابِ | کر دیے جس نے عرب کے سنگِ خارا لعل ناب

جس کی آمد نے بدل ڈالا نظامِ صبح و شام

اے صبا اس والیٔ طیبہ سے کہہ دینا سلام

ان اشعار میں اسلامی تاریخ کے تمام نکات کو نہایت خوبی کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ مسلمانوں کے حال سے متاثر ہو کر ان کے دل درد مند سے بے اختیار فریاد نکل جاتی ہے۔

کفر کی حق کے مقابل میں فراوانی دیکھ | دشتِ آفات میں واماندوں کی حیرانی دیکھ

شان مندر کی کلیسا کی جہاں بانی دیکھ | اپنے ایوانِ فلک بوس کی ویرانی دیکھ

اُجڑی نگری کے نگہ دار کہاں ہے آجا

ذرا غور فرمائیے "اجڑی نگری" کس قدر معنی خیز ہے۔ اس میں مسلمانوں کی دیرینہ عظمت و شان کی دل تڑپا دینے والی کتنی داستانیں پوشیدہ ہیں۔

"ارض کربلا کی زاری۔ جواب ایزد باری" اور اسلامی سال نو" جدید ادب کی کسوٹی پر پوری اترتی ہیں۔ ندرت خیال کو ملاحظہ کیجیے۔ فلسفۂ کربلا کے مغز کو کس قدر عجیب پیرایہ میں پیش کیا ہے یہ دونوں نظمیں ان کے دلی جذبات کی آئینہ دار ہیں اور غالباً اسلامی سالِ نو کا خیال بھی قطعاً نیا ہے۔

اصلاحیات کے شعبہ میں قادر الکلامی کے ساتھ ساتھ خیالات کی پختگی اور اصلاح کی انفرادیت پر غور کیجیے۔ مغربی فحاشی کے آئینہ دار رنگ خاتون تمدن کی دلدادہ خواتین ذرا پڑھیں

اور دل ہی دل میں سوچیں کہ کس قدر ٹھکانہ کی بات کہہ رہی ہیں اپنی ہمجنس سے مخاطب ہو کر فرماتی ہیں:

پاس اب ملت کا باقی ہے نہ کچھ خوفِ خدا — مغربی تقلید نے جوہر کو تیرے کھو دیا
ہر دم اپنے حسن کی مدِ نظر تزئین ہے — پرورش اطفال کی تیرے لیے توہین ہے
حسن تیرا باعثِ آرائشِ محفل ہوا — ہو گئی اندوہگیں لیکن ترے گھر کی فضا
بڑھ گئی کچھ سرخیٔ دغازہ سے جلوونکی چمک — مٹ گئی رُخ سے مگر معصومیت کی وہ جھلک
اپنی رسوائی پہ مذہب ہاتھ مل کر رہ گیا — شمع ملت بجھ گئی پروانہ جل کر رہ گیا

دیکھ سیلابِ فنا حد سے گزر جانے کو ہے
تیری جمعیت کا شیرازہ بکھر جانے کو ہے

قوم کے غافل نوجوانوں سے خطاب کرتی ہیں۔ ناصحانہ، مبلغانہ، وواعظانہ طور پر استفسار کرتی ہیں:

فکر کی ندرت، ارادوں کی جوانی کیا ہوئی — دستِ مسلم تیرے خنجر کی روانی کیا ہوئی
اے سکوتِ مستقل وہ گل فشانی کیا ہوئی — اے مسلماں صولتِ صاحبِ قرانی کیا ہوئی

جس کا وہ آغاز تھا اب اس کا یہ انجام ہے
اے سپوتو قوم کے غیرت اسی کا نام ہے

استفسار کرتی ہیں اور استفسار کرتے ہوئے کچھ غیرت کے دریا میں ایسا تلاطم پیدا کرتی ہیں
غلامی کی لمبی رسی میں جکڑے ہوئے مغربی تمدن کی تقلید میں زبوں و بدحواس اور فریب خوردہ نوجوانوں

کی رگوں میں خون کو کچھ اس طرح متحرک کرتی ہیں کہ جھاگ اُٹھنے لگتے ہیں۔ وہ جھوٹی سیاست اور مستبعد حکومت کے زخموں سے سُست نہیں ہوتیں بلکہ زخمی شیر کی طرح مدافعانہ انداز میں گرجتی ہیں:۔

جوشِ دیرینہ کی تیغ شعلہ پیکر کی قسم ہاتھ سے کھوئے ہوئے اورنگ وافسر کی قسم
بادۂ توحید کے لبریز ساغر کی قسم سچ بتانا تم کو تعلیمِ پیمبر کی قسم
کیا یہ شانِ اتباعِ ہادیٔ اسلام ہے
اے سپوتو قوم کے غیرت اسی کا نام ہے

اس سے پہلے کا بند پڑھیے اور پھر اس پر غور فرمائیے۔ کیا یہ غداروں کی عکاسی نہیں کرتے۔

وہ حالی کی طرح صرف اظہارِ افسوس ہی کر کے اپنی شاعری کو قنوطی نہیں بنا دیتیں بلکہ ان کے پاس اس زخم کا مرہم بھی ہے۔ وہ پر کٹے مُرغ کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیتیں وہ اس کا علاج بھی بتاتی ہیں۔ مایوس و ناکام ہستیوں کے لیے ان کی تجویز ملاحظہ ہو:۔

زیست کے میدان میں مرکب کو دوڑا کر چلو مسکرا کے موت کے واروں کو کھا کر چلو
تیغ کا لوہا صفِ دشمن سے منوا کر چلو اور خود بھی تیغ کے مانند بل کھا کر چلو
تم کو اب اسلام کا یہ آخری پیغام ہے
اے سپوتو قوم کے غیرت اسی کا نام ہے

صنفِ نازک کے منھ سے یہ الفاظ سننے کے بعد منجمد سے منجمد خون اپنی پوری روانی کے ساتھ حرکت کرنے لگتا ہے۔

"متفرقات" میں یوں تو اُنھوں نے ہر میدان میں اپنے توسنِ فکر کو دوڑایا ہے لیکن اس میں انکی دو نظمیں "صبح نشاط" اور "شاعرات کو دیکھ کر" دیکھنے کے قابل ہیں۔ موخرالذکر نظم جب ان کے اُستاد پروفیسر ضیا احمد صدیقی کے پاس بغرض اصلاح گئی تو اُنھوں نے انتہائی تعریف کے ساتھ یہ شعر لکھ کر واپس دی سے حسنِ خیال، حسنِ بیاں، حسنِ اعتقاد اس نظم کے محاسنِ پنہاں نہ پوچھیے

سنہ ۱۹۴۲ء میں اباجان کا دہلی میں امپیریل ایگریکلچرل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ میں آرگنیک کیمسٹ کے عہدے پر تقرر ہوگیا۔ اور ہم سب لوگ بھی دہلی آ گئے۔ بھائی بی۔ ایس سی اور میٹرک کی تیاریاں کر رہے ہیں اور چھوٹی بہن صاحبہ (مسرت رفعت) ابھی قیدِ تعلیم ہی سے آزاد ہیں خدا کے فضل سے امی کو ہر قسم کا اطمینان حاصل ہے اور اب انکی ایک آخری آرزو اور ہے :-

رخصت بدن سے جب میری جانِ ملول ہو دم ہو لبوں پہ سامنے قبرِ رسولؐ ہو

اس تعارف کے بعد پورے مجموعے پر نظر ڈال کر اندازہ لگائیے کہ اس میں کہاں تک میری دخترانہ عقیدت کو دخل ہے اور کہاں تک ان کی ندرتِ بیان، پختگیٔ کلام، پاکیزگیٔ زبان اور اسلامی جذبات سے بھرے ہوئے دل کو ——— اور ہاں یہ بھی اندازہ لگائیے کہ ہمارے قائدِ اعظم کی خدمت میں سیاسی و مذہبی پھولوں کا یہ گلدستہ کس حد تک قابلِ قبول ہے۔

مس عفت رفعت حسین متعلم ایم۔ اے فائنل (علیگ) دہلی۔ ۵ نومبر سنہ ۴۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چند لفظ

کیا ہے عورت؟ عفّت و شرم و حیا کی پاسدار
پیکرِ سعی و عمل، تصویرِ تمکین و وقار

اُلفتِ معصوم اس کی جیسے طفلی کی حیات
ہے خداوندِ جہاں کا دستِ شفقت اُسکی ذات

صبر کے نغموں سے پُر ہے اس کا سازِ زندگی
اُس کی چشمِ دوربیں آگاہِ رازِ زندگی

سادگی پر اُسکی قرباں سیکڑوں رنگینیاں
اُس کی خاموشی میں پنہاں اسکا اندازِ بیاں

ہو اگر حاصل مقدّر سے نگاہِ ژرف بیں
اُسکے قدموں کے ہے زیرِ سایہ فردوسِ بریں

اُس کا زیور ہے عمل، پوشاک ہے صبر و قرار
غم کی تلخی میں بھی ہے اُس کا تخیّل خوش گوار

استواری اور استقلال میں مشہور ہے　　　دستبردِ وقت سے عورت کی دُنیا دُور ہے

مخفی اس جنس گرانمایہ کی ارزانی ہے آج
ماند اس نایاب گوہر کی درخشانی ہے آج

مشرقی، ہندی اور مُسلم عورت یہ تھی جو ان اشعار میں ہے۔ لیکن اب وہ ہے جو آخری شعر میں ہے۔ آج اس جنسِ گراں مایہ کی وہ ارزانی ہے کہ آخر اس نایاب گوہر کی درخشانی ماند ہو گئی۔

یہ خیال ایک خاتون نے ظاہر کیا ہے۔ اور انہوں نے اپنی جنس کی حقیقت کو کسی فلسفہ سے نہیں۔ بلکہ اپنی فطرتِ نسوانی اور اپنی فراست سے سمجھا ہے۔ لیکن نادانستہ طور پر اس میں نفسیات کا ایک اصول بیان ہو گیا ہے۔ ارزانی کا لازمی نتیجہ تھا گوہر کی درخشانی کا ماند ہو جانا۔ کیوں؟ ایک لطیفہ سُنیئے۔ ہے تو لطیفہ مگر فکر و نظر کے لائق۔

ایک موقع پر مسٹر عبداللہ یوسف علی نے پردے کے ذکر پر ڈاکٹر اقبال سے کہا:۔

"آپ کو تو پردے کی مخالفت ضرور کرنی چاہیئے"

ڈاکٹر صاحب نے کہا:۔

"میں تو پردے کا بہت حامی ہوں"

یوسف علی صاحب نے وجہ دریافت کی تو فرمایا :-

"بے پردگی اور عُریانی سے وہ راز کھل جاتا ہے جو جنسیت کی جان ہے" [سلہ]

یہ بے پردگی و عُریانی اور خیال و عمل کی آزادی آج حیاتِ نسواں کے ہر شعبے میں عام ہے - تعلیم و تفریح، سیاست و معاشرت، رفتار و گفتار، مذہب، اخلاق، شعر و ادب، ہر جگہ عریانی کی جلوہ آرائی اور آزادی کی کارفرمائی موجود ہے - اس میں شک نہیں کہ مشرقی اور خاصکر ہندی عورت جو" صدیوں کی زندانی" تھی اور جس کو" شگافِ در سے بھی تماشائی" ہونے کی اجازت نہ تھی اپنے قید و بند کو توڑنے میں کامیاب ہو گئی ہے - لیکن اگر کوئی زندانی آزاد ہو کر اس غصے میں کہ اس کو عمدہ غذا اور عیش و راحت سے محروم رکھا گیا تھا ضرورت سے زیادہ کھانے لگے اور دن رات تعیش و ہوسناکی میں مشغول رہے تو اس کا یہ فعل جیلر یا جج یا حکومت و معاشرت سے انتقام نہ ہوگا بلکہ خود اس کی زندگی کو تباہ کر دے گا - یہاں اتفاق سے جیلر

سلہ پروفیسر خواجہ عبدالحمید کے ایک مضمون مطبوعہ آثار اقبال سے لیا گیا ہے -
سلہ ڈاکٹر اقبال کی" طلوع اسلام" کا ایک شعر ہے :-
ہوئے احرارِ ملت جادہ پیما کس تجمل سے ... تماشائی شگافِ در سے ہیں صدیوں کے زندانی

تو اپنے ظلم اور سختیِ سزا سے پشیمان ہو چکا ہے اور جیلر اور آزاد قیدی دونوں مل کر جج کو ہلاک کرنے کی کوشش میں ہیں۔

یعنی مرد جس نے عورت کو پردے کی قید میں رکھا تھا اب آزادی و بے پردگی سے خوش ہے اور مذہب کو جس کا یہ فیصلہ تھا، مرد عورت دونوں مل کر نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں۔ حکومت و معاشرت کا بھی کوئی خطرہ نہیں۔ حکومت اُن کی طرفدار ہے اور معاشرت و تہذیب و تمدن ان کے ہاتھ میں ہے۔

خواتینِ ہند و اسلام کے لئے اعلےٰ تعلیم، علمی مشاغل، قومی خدمت سیاسی جد وجہد، سب جائز، مناسب اور ضروری ہیں۔ لیکن صرف ایک شرط ہے۔ وہ یہ کہ ان کو یہ کبھی نہ بھولنا چاہیئے کہ وہ عورت ذات ہیں۔ عورت کبھی اپنے "عورت" ہونے کو نہیں بھولتی۔ لیکن "عورت ذات" ہونے کو بھول جاتی ہے۔

میں ان دونوں لفظوں کو بطور اصطلاح کے استعمال کر رہا ہوں۔ یعنی عورت ہمیشہ یہ بات یاد رکھتی ہے کہ عورت ہونے کے سبب سے اُسکے اندر مرد کیلئے کیا کشش ہے۔ لیکن یہ بات کبھی کبھی اُس کے ذہن سے نکل جاتی ہے کہ اُس کی ذات اور جنس کی کیا ذمہ داریاں ہیں جن سے عہدہ برآ ہونا اُس کا

پہلا فرض ہے۔ اُس کی "ذات" کی کیا خصوصیتیں ہیں جن کے قائم نہ رہنے سے وہ بالآخر مرد کی نگاہ سے بھی گر جاتی ہے۔ اور اس کی "جنسیت" کی کیا نزاکتیں ہیں جن کو مرد کی حریف بن کر باقی رکھنا اُس کے لئے ہر موقع پر آسان نہیں ہوتا۔

محیطِ نسوانی کے موجودہ تلاطم و طوفاں میں انقلاب اور اصلاح، فلاح و رفاہ کا نام لیکر جسقدر بدعنوانیاں عورتوں کی طرف سے ہو رہی ہیں۔ وہ مشرقیت اور اسلامیت کے لئے بڑا خطرہ ہیں۔ تاہم ابھی ہندوستان اس کُلّیہ کے استثناء سے خالی نہیں ہے۔ اگرچہ ہندوستان کی خواتینِ اسلام کا پیدا کردہ لٹریچر، ان کے افسانے، اور ان کی شاعری روز بروز ملوّث و متعفّن ہوتی جا رہی ہے۔ پھر بھی بہت سی "اللہ کی بندیاں" بھی موجود ہیں۔ اور مجھے ایک ایسی ہی "اللہ کی بندی" کا تذکرہ اس وقت مقصود ہے۔

محترمہ رسول جہاں بیگم صاحبہ مخفی بدایونی تعلیم یافتہ ہیں، بہت روشن خیال ہیں، اور بہت روشن خیال اور اعلےٰ سے اعلےٰ تعلیم یافتہ و معزز سرکاری عہدہ دار کی بیوی ہیں۔ قومی و سیاسی خدمات کا جوش رکھتی ہیں۔ شاعر ادیب اور مقرّر ہیں۔ لیکن باوجود ان سب باتوں کے سچّی مسلمان بی بی ہیں۔

جلسوں کے شوق میں گھر کو نہیں بھولتیں ۔ سیاست کی خاطر خدا سے غافل نہیں ۔ فیشن کے پیچھے اسلامی روایات کو نہیں چھوڑتیں ۔ گویا بقول علامہ اقبال :-

آنکھ طائر کی نشیمن پر رہی پرواز میں

بیگم ڈاکٹر رفعت نے اپنی نظموں کا مجموعہ **عروسِ سخن** کے نام سے مرتّب کیا ہے ۔ میں نے اس کا بہت سا حصّہ پڑھا اور مجھے ان کی قدرتِ کلام اور صحتِ مذاق پر بڑی حیرت ہوئی ۔ سب سے زیادہ مسرت اس بات کی ہے کہ تمام کلام میں ترقی پسند عُریانی و بیباکی کا کہیں شائبہ تک نہیں ۔ بلکہ پورا مجموعہ حمد و نعت ، منقبت ، اسلامیات و اصلاحیات سے مرکب ہے ۔

اس تبصرے کے آغاز میں جو اشعار درج کئے گئے ہیں وہ بھی بیگم رفعت صاحبہ کے ہیں ۔ اب دوبارہ ان کو پڑھ کر دیکھئے کس قدر ڈھلے ہوئے شعر ہیں ۔ اس سے بہتر فن شاعری کی خوبیاں ان کے کلام میں نظر آتی ہیں ۔ مجموعہ کی سب سے پہلی نظم ڈاکٹر اقبال کے "شکوہ" کے طرز میں مناجات ہے ۔ اس کا نمونہ دیکھئے :-

تجھ سے فریاد ہے مولا تری دیوانوں کی　　　شمعِ اسلام کے دل سوختہ پروانوں کی

اب ترے ہاتھ میں ہے لاج مسلمانوں کی خیر ہو دینِ محمدؐ کے نگہبانوں کی

پار گرداب سے مسلم کا سفینہ کر دے

پھر ہمیں بلبلِ گلزارِ مدینہ کر دے

ہم خطاوار، گنہ گار، ریاکار سہی نشۂ بادۂ غفلت میں بھی سرشار سہی

اور پابندیِ احکام سے بیزار سہی دام میں عار و مذلت کے گرفتار سہی

جادہ پیما تو اسی جادۂ مطلوب کے ہیں

نام لیوا تو پھر آخر ترے محبوب کے ہیں

تجھ کو محبوب کے اوصافِ جمالی کی قسم اس لبِ پاک کی اعجاز مقالی کی قسم

تجھ کو دیتی ہوں اسی سیدِ عالی کی قسم اس کی عترت کی قسم اسکے موالی کی قسم

دستِ ناکارہ کا زیور وہی شمشیریں ہوں

پھر وہی ہم، وہی نعرے، وہی تکبیریں ہوں

نعت شریف کی نظموں میں جو شوق و محبت ہے اس سے مصنفہ کا

نورِ ایمان روشن ہے۔

ایک نظم میں لکھتی ہیں:۔

شہنشاہِ امم محشر میں یکتا بنکے نکلیں گے مریضِ دردِ عصیاں کے مسیحا بنکے نکلیں گے

گروہِ انبیا میں سب سے اعلیٰ بن کے نکلیں گے
سیہ کاری کی ظلمت کا اُجالا بن کے نکلیں گے
خدا کی شانِ رحمت کا تقاضا بنکے نکلیں گے

صفِ محشر میں یہ شانِ رسولِ ہاشمی ہوگی
پریشاں زلفِ مشکیں دوشِ اقدس پر پڑی ہوگی
درِ معبود پر پیشانیٔ انور جھکی ہوگی
زباں پر التجائے رَبِّ هَبْ لِی اُمَّتِی ہوگی
دعا کے بول اجابت کا قبالا بنکے نکلیں گے

پانچواں مصرع کس قدر خوبصورت نکالا ہے" دعا کے بول اجابت کا قبالا بن کے نکلیں گے "۔ سبحان اللہ!

شاعرہ نے "اسلامی سال نو" کے تاثرات پر ایک طویل نظم لکھی ہے۔ محرّم کا چاند اسلامی دنیا کے لئے یادگارِ غم والم ہے۔ یہ خنجر ہلال اس خنجر کو یاد دلاتا ہے جو امام تشنہ کام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چاند سے گلے پر چلایا گیا تھا۔ نظم میں یہ مضمون نیا نہیں لیکن بیگم رفعت نے جس پیرایہ میں لکھا ہے، وُہ نیا ہے۔ اور صرف نیا نہیں۔ نہایت دل نشین اور دل گداز ہے۔ نظم کا آغاز، ترقی، تسلسل اور انجام شاعرہ کی صنعت **حسن کار کا آئینہ** ہے۔ تخیل و اسلوب کی تازگی اور شاعرانہ کمال نے ایک شاہکار پیش کر دیا ہے۔ نمونے کے طور پر چند اشعار اقتباس کرتا ہوں:-

مسافت کر کے طے دن بھر کی رخ خورشید نے پھیرا
فضائے دہر پر ڈالا سکوتِ شام نے ڈیرا

سکوتِ موت آکر چھا گیا دنیا کی بستی پر
پڑی شب کی سیہ کفنی بلندی اور پستی پر

چھپے شب کے دھندلکے میں نظر افروز نظارے
زمیں کا دیدۂ حسرت سے منہ تکنے لگے تارے

نگاہیں میری اتنے میں فلک کی سیر کر آئیں
پلٹ کر سالِ نو کا مژدۂ فرحت اثر لائیں

مگر یہ میرے دلمیں درد کیوں رہ رہ کے اُٹھتا ہے
یہ سالِ نو یہ غمگینی ! الٰہی ماجرا کیا ہے

یہ کیوں سیلابِ اشک آنکھومیں آج اُمڈا سا آتا ہے
یہ قلبِ مضطرب سینہ سے کیوں نکلا سا جاتا ہے

یہ آہوں کے شرارے کیوں سرِ گردوں لپکتے ہیں
فلک کی آنکھ سے کیوں خون کے آنسو ٹپکتے ہیں

ہلالِ سالِ نو تو ہی بتا تجھ کو ہوا کیا ہے
یہ کس غم میں خمیدہ ہے کمر کیوں زرد چہرا ہے

نہاں ہے یادِ ایامِ سلف کی تیرے سینہ میں
نقوشِ عہدِ ماضی ہیں ابھی دل کے نگینے میں

نکلتا تھا فلک پر جب بصد شانِ خود آرائی
تو اک عالم ترے جلوے کا ہوتا تھا تماشائی

وفورِ شوق میں ہر آنکھ محوِ دید ہوتی تھی
تری آمد زمانہ کو نویدِ عید ہوتی تھی

گلستانِ جہاں میں تیری آمد سے بہار آتی
ترے پردہ میں گویا رحمتِ پروردگار آتی

مگر یہ آہ کیسا انقلابِ دہرِ فانی ہے
کہ اب تیرا تصور ہی پیامِ نوحہ خوانی ہے

مجھے جب اُس نے دیکھا رازِ سوز و درد کا جویا
دلِ پُرغم سے کھینچی آہ اور پھر یُوں ہوا گویا

یہ وہ بارِ الم ہے جو اُٹھایا جا نہیں سکتا
جو دل میں ہے زباں پر آہ لایا جا نہیں سکتا

دبا رہنے دو سینے میں مرے سوزِ نہاں میرا
لحد میں ساتھ میرے جائیگا اندوہِ جاں میرا

سراپا درد ہوں تلخی کشِ جورِ تماشا ہوں
زمانہ جس پہ روتا ہے وہ ناکامِ تمنا ہوں

بھلا کس کو مجالِ گفتگو ہے حکمِ قدرت میں
ازل کے دن لکھی تھی نوحہ خوانی میری قسمت میں

تھمے کیا گریۂ غم مجھ الم اندوز ہستی کا
کہ میں نے پایۂ رفعت سے منہ دیکھا ہے پستی کا

بتاؤں کیا مری قسمت نے جو مجھ کو دیئے چرکے
لگا دی آگ گھر میں خود چراغوں نے مرے گھر کے

مرقع میری ناکامی کا وہ اندوہ گیں منظر
وہ حسرت خیز، عبرت ناک، حیرت آفریں منظر

زمانے کو جو عبرت کا سبق ہر سال دیتا ہے
وہ حسرت خیز نظارہ مری آنکھوں نے دیکھا ہے

بشر کی معصیت کوشی و غفلت میں نے دیکھی ہے
محمدؐ کے نواسے کی شہادت میں نے دیکھی ہے

وہ جس کے نور نے عالم منوّر کر دیا سارا
حُسینؑ ابنِ علیؓ خاتونِ جنت کا جگر پارا

جلال و دبدبہ میں حیدرِ کرار کی صورت
وہ ظاہر اور باطن احمدِ مختار کی صورت

قسم کھاتا ہے جس کے صبر کی پیرِ فلک ابتک
ہیں جسکے آستانے پر جبیں گستر ملک ابتک

یہ صورت ماتمی ہے اس حجازی شاہ کی خاطر
کٹایا سر کو اپنے جس نے دینِ اللہ کی خاطر

اس کے بعد ہلال کی زبانی واقعۂ شہادت بیان کرتی ہیں۔ بیان میں کیا کیا **محاسن شعری** پیدا کئے ہیں۔ جن کا لطف واثر تمام نظم کے مطالعہ ہی سے اندازے میں آسکتا ہے۔ "ہلالِ محرم" اس داستانِ غم کو اس طرح ختم کرتا ہے۔

یہ سب منظر نگاہوں میں مری آباد ہیں ابتک ۔۔۔ یہ خونیں داستانیں میرے دل کو یاد ہیں ابتک
ہوا ویران جب سے سبطِ پیغمبر کا کاشانہ ۔۔۔ ہوا لبریزِ غم اس دن سے میرے دل کا پیمانہ

قومی نظموں میں ایک "ترانہ" مخمّس کی صورت میں لکھا ہے۔ کس جوش سے لکھتی ہیں:۔

ملّت کی آرزو ہم ۔ مذہب کی آبرو ہم ۔۔۔ عقلِ گرہ کُشا کے دامن کا تار و پو ہم
گلہائے گلستانِ وحدت کا رنگ و بو ہم ۔۔۔ دریائے سرمدی کے ساحل کی جستجو ہم
لیتے ہیں نام ادب سے اہلِ ہمم ہمارا

دریا کی رَو میں ڈالا جب رخشِ تازہ دم کو ۔۔۔ نصرت نے بڑھ کے چُوما رہوار کے قدم کو
توڑا طرِ اطلس میں تیغِ دو دم کے دم کو ۔۔۔ عزم و ثباتِ دشمن رخصت ہوا عدم کو
فتح و ظفر کا ضامن تھا دم قدم ہمارا

گونجی صدا کے حق جب روما کی سرزمیں میں ۔۔۔ باطل نے منھ چھپایا شرما کے آستیں میں

آئی کوئی شکن گر ایماں کی جبیں میں　　جا کر بنی وہ خنجر دلہائے منکریں میں

لوہا نہ ملنتے کیوں اہلِ ستم ہمارا

ایک طویل نظم "رودادِ نسواں" کے نام سے لکھی ہے۔ اسطرح شروع کرتی ہیں:۔

چھپا رکھا تھا شکوہ دل میں ہم نے دل کے محرم کا　　بنا رکھا تھا مخزن اپنا سینہ شعلۂ غم کا

نہ خوگر ہو سکا جس دم یہ دلِ صدماتِ پیہم کا　　وسیلہ بن گیا زخمِ جگر تدبیرِ مرہم کا

لبِ خاموش نے آخر سکوتِ دائمی توڑا

قلوبِ مطمئین نے دامنِ صبر و سکوں چھوڑا

اس کے بعد عورتوں کی مظلومی اور مردوں کی ستمگری بڑی تفصیل کے ساتھ نہایت دردناک پیرایہ میں لکھی ہے۔ مردوں سے مخاطب ہو کر اپنی حق تلفی کا شکوہ کیا ہے۔ اپنے کارنامے بیان کئے ہیں۔ حق مساوات ثابت کرتی ہیں۔ کہ

ہیں اک صانع کی صنعت کے کرشموں کا اثر دونوں　　ہیں اک خالق کے بندے ایک رحمت کی نظر دونوں

"ایک رحمت کی نظر دونوں"۔ کیا خوب کہا!۔ پھر کہتی ہیں:۔

اگر دشمن ہے اک عالم تو ہو اللہ یاور ہے　　پڑھو قرآن میں ھُنَّ لباس حکمِ داور ہے

اسلاف کے کارنامے بیان کرتی ہیں:۔

کتابوں میں خواتینِ سلف کا حال زندہ ہے　　زمانے میں ہمارا عزم و استقلال زندہ ہے

رضیہ کی حکومت۔ نورؔ کا اقبال زندہ ہے　　　　زبیدہؔ کا تجمل خولہؔ کا اجلال زندہ ہے

ابھی ہے اپنا سینہ شوکتِ ماضی کا آئینہ

دکھاتا ہے جو اپنے عکس میں احوالِ پارینہ

آگے چل کر قائداعظم مسٹر جناح کی ایک تقریر کا حوالہ مردوں کو دیتی ہیں:۔

خبر ہے قائداعظم نے جو تم کو نصیحت کی　　　　کہ شمشیر و قلم دونوں ہیں زینت کاخِ ملت کی

مگر ان دونوں سے بڑھکر کہیں طاقت ہے عورت کی　　　　حقیقت میں یہی بنیاد ہے قومی عمارت کی

وہ ملت پا نہیں سکتی کبھی انوارِ آزادی

معطل اور ناکارہ ہو جس کی نصف آبادی

اس کے بعد معاً شاعرہ کو خیال آتا ہے۔ کہ ہماری عجیب بدقسمتی ہے۔ کہ اگر اس طرح کوئی شخص ہماری آزادی کا حامی بن جاتا ہے تو ہماری بہنیں اس آزادی میں حد سے باہر نکل جاتی ہیں دیکھئے کیسی حسرت سے کہتی ہیں:۔

غم آگیں کس قدر یہ داستان تلخ کامی ہے　　　　جو قسمت سے کوئی آزادئ نسواں کا حامی ہے

تو آزادی نہیں، اہلِ مغرب کی غلامی ہے　　　　نگاہ و دل کی بیبا کی ہوس کی بے لگامی ہے

یہ آزادی ہمارے دکھ کا درماں ہو نہیں سکتی

یہ تاریکی حریفِ مہرِ تاباں ہو نہیں سکتی

پھر کیا سچی بات کہتی ہیں جو آزاد خیال اور بیباک طبع بہنوں کے سننے سمجھنے کی ہے:۔

نگہ بیباک ہوتی ہے تو دل تاریک ہوتے ہیں گریزاں شرم و غیرت۔ وسوسے نزدیک ہوتے ہیں
حجاب آمیز ہوتے ہیں تو جلوے ٹھیک ہوتے ہیں توازن لکھنے والے لائق تبریک ہوتے ہیں

نگہ کی خیرگی اچھی نہ دل کی تیرگی اچھی
اجالا جس سے دنیا میں رہے وہ روشنی اچھی

اس بند کے قافیے کس حسن کے ساتھ نظم کئے ہیں۔

حصہ "اصلاحیات" میں ایک خوبصورت نظم "ہندوستان اور پاکستان" کے عنوان سے لکھی ہے۔ "پاکستان" کی مخالفت اِس بنیاد پر کی جارہی ہے کہ اس طرح **"ہندوستان"** منقسم ہو جاتا ہے اور وطنیت کا تصور درہم برہم ہو جاتا ہے اور مسلمانوں کو یہ الزام دیا جاتا ہے کہ وہ وطنیت کا جذبہ اور ہندوستان کی محبت نہیں رکھتے۔ یہ خیال پیش نظر رکھکر بیگم رفعت صاحبہ نے **ہندوستان** کی شکایت اور **پاکستان** کے جواب میں ہندو اور مسلم کا "نظریۂ وطن" واضح کیا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔ ہندوستان کہتا ہے:۔

وطن اہل بصیرت کی نظر میں سب سے پیارا ہے یہ جان و مال سے۔ اولاد سے۔ مذہب سے پیارا ہے
اسی کل میں ہر اک جز اپنی ہستی کو سمو دیتا اسی وحدت میں اپنی انفرادیت کو کھو دیتا
نہ ہوتا مصر و شام و ترکی و ایران کا سودا ہر اک سر میں سماتا صرف ہندوستان کا سودا

تو یہ اُجڑا ہوا گلزار بھی آباد ہو جاتا
غلامی سے ابھی ہندوستان آزاد ہو جاتا

پاکستان جواب دیتا ہے :-

تعجب کیا اگر اسلامیوں نے تجھ سے منہ موڑا
تری کج رائیوں پر رشتۂ مہر و وفا توڑا

ترے فرزند ہیں محکومیٔ یورپ کے دلدادہ
سمجھتے ہیں اُسی کو منزلِ اقبال کا جادہ

مگر میرے جگر گوشوں کو کیا اس قیدِ باطل سے
کہ خوشبوئے گُل کی پابندِ مکاں ہوتی ہے مشکل سے

وہ ڈھائینگے طلسم افرنگ کی تدبیرِ محکم کے
وہ رہبر ہیں نہ صرف اپنے وطن کے بلکہ عالم کے

نہ ہو اپنے وطن سے اُن کو الفت ہو نہیں سکتا
مگر پھر بھی وطن بنیاد ملت ہو نہیں سکتا

رسولِ پاک کی ہجرت یہ دیتی ہے سبق اُنکو
کہ ہے یکساں سوادِ مشرق و مغرب حق اُنکو

تجھے کیوں خوف "پاکستان" سے محسوس ہوتا ہے
کہ یہ پیغام خود تیرے لئے امن و بقا کا ہے

اسی سلسلہ موضوع کا صرف ایک نمونہ اور پیش کرتا ہوں۔ بہنوں کی عریاں نگاری (خصوصاً شاعرات) کی بیباک خیالی سے متاثر ہو کر ایک نظم لکھی ہے۔ اس میں کہتی ہیں:-

بیباکیٔ نگاہ کے ہاتھوں سے سقدر
ہے تار تار شرم کا داماں نہ پوچھئے

تقوے شکن شباب کی آندھی کے سامنے
کیونکر بجھی ہے مشعلِ ایماں نہ پوچھئے

پیک خیال کی جو رسائی سے دور تھا
کیسے ہوا وہ حسن نمایاں نہ پوچھئے

چاروں طرف ہیں حسن کی جلوہ نمائیاں　　　صد جنتِ نگاہ کے ساماں نہ پوچھیئے

خونِ حجاب۔ خونِ وفا۔ خونِ آبرو

تہذیبِ نو کے ہیں یہی عنواں نہ پوچھیئے

میں نے کافی اقتباسات لکھ دئیے ہیں۔ اُن سے بیگم رفعت کی شاعری کے محاسن کا اندازہ ہوگیا ہوگا۔ شاعرات ہند میں ان کا خاص مرتبہ ہے۔ زبان پر قدرت۔ اسالیب بیان میں نادرہ کاری، وسعت نظری۔ لطافتِ تخیّل سب کچھ اِن نظموں میں موجود ہے۔ ان کے خداداد ذوقِ سلیم اور ایک مدت کی محنت و کوشش نے وہ مجموعہ اربابِ شعروسخن کے سامنے پیش کیا ہے جس پر شاعرات کو فخر و مسرت کا موقع ہے۔ عصرِ حاضر کی تصانیف نظم میں جو خواتین کے قلم سے منظر شہود پر آئی ہیں یہ پہلا مجموعہ ہے جس میں اسقدر صحت کے ساتھ اسلامی نقطۂ نظر کو واضح کیا گیا ہے۔ یہ مجموعہ جیسا "صورت" میں شاندار ہے ایسا ہی "سیرت" میں عظیم الشّان ہے۔

حامد حسن قادری

۲ر اکتوبر سنہ ۱۹۴۵ء

۷۸۶
۹۲

باسمہٖ تبارک وتعالیٰ عزوجل

۱۳۶۴ھ

لوامع تواریخ

۱۳۶۴ھ

از پروفیسر حامد حسن صاحب قادری

"عروس سخن" گنجینۂ کلام از رسول جہاں بیگم صاحبہ مخفی بدایونی

بیگم جناب ڈاکٹر رفعت حسین صاحب صدیقی

۱۹۴۶ع

ہوئی آراستہ عروس سخن — ادب و شعر کا کھلا گلشن!

اس سے مقصد نہیں ہے دعویٰ شعر — اس کا منشا نہیں نمائش فن!

اس سے مدِنظر ہے خدمتِ قوم — مدعا رہبریِ اہل وطن!

یہ ہدایت ہے ایسی بہنوں کو — جن کو محبوب ہے نیا فیشن

جو ہیں نظموں میں اپنی یوں عریاں — جیسے کپڑوں میں ان کا نازک تن

یہ عروسِ سخن نمونہ ہے — کہ ہو ایسا ہی شاعری میں چلن

اس میں ایسا ہے نورِ ایمانی — جس کے دیکھے سے جان و دل روشن

اس میں ایسی ہے پاکی و عفت — جس سے ہے شعر نوتہی دامن
اس میں ایسی ہے سادگی کہ جسے — نئی دنیا کہے گی طرزِ کہن
لیکن اس سادگی میں ہے وہ خلوص — جس پہ قربان ہیں ہزاروں فن

اس لئے قادری یہ ہے تاریخ
سادگی زیورِ "عروسِ سخن"

۱۳۶۴ھ

تاریخِ دیگر از حامد حسن قادری صاحب

دیکھنا، بیگم رفعت کا یہ مجموعۂ نظم — ادب و خلق کی آراستہ اک محفل ہے
اس کی تاریخ ہے کیا؟ کوئی جو پوچھے تو کہو — کہ "عروسِ سخن آئینۂ دردِ دل" ہے

۱۳۶۴ھ

ایضاً

این است فروغِ شمعِ بزمِ نسواں — ایں عالمِ شعر را بہارِ چمن است
تاریخِ طباعت کلامِ مخفی — "آراستہ پیکرِ عروسِ سخن" است

۱۹۴۵

نوٹ:۔ سالہائے رواں ہجری و عیسوی قریب ختم ہیں اس لئے تاریخوں میں موجودہ اور آئندہ دونوں سنہ نکالے ہیں۔

محمد جمیل احمد بریلوی

محترمہ رسول جہاں بیگم بیدلؔ، بیگم ڈاکٹر رفعت حسین صاحب صدیقی ایم ۔ ایس، سی، پی، ایچ ڈی (علیگ)، ڈی فل (آکسن) کی شریک حیات اور محترمہ نورجہاں بیگم نور کی بڑی بہن ہیں :۔

محترمہ دور حاضر کی ایک بلند پایہ اور پرگو شاعرہ ہیں ۔ آپ کے کلام پر قومی اور مذہبی رنگ چھایا ہوا ہے ۔ اسلام اور بانی اسلام (صلعم) سے آپکو عشق ہے جس کا اظہار آپکے کلام سے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ آپکی نعتیں اکثر بہت بلند اور پر اثر ہوتی ہیں ۔ آپ نے مسلمانوں کو ان کی دیرینہ عظمت یاد دلائی ہے ۔ اور انکو انکی موجودہ غفلت سے بیدار کرنیکی بھی کوشش کی ہے ۔ اس رنگ میں آپ علامہ اقبال سے متاثر نظر آتی ہیں ۔ آپکا دل طبقہ نسواں کی عام مظلومیت، جہالت، غفلت اور پستی پر بھی دکھا ہے اور آپنے ان کی اصلاح کی بھی کوشش کی ہے ۔ آپنے مردوں سے حقوق نسواں کا مطالبہ کیاہے اور عورتوں کو انکے حقوق و فرائض یاد دلائے ہیں ۔ آپ مشرقی اور اسلامی تہذیب کی دلدادہ ہیں اور جوہر نسوانیت کے صحیح نشوونما کیلئے اس تہذیب کو ضروری اور مفید خیال کرتی ہیں آپنے مسلمان مرد اور عورتوں کو بیداری اور عمل کا پیغام دیا ہے ۔

۱؎ ماخوذ از تذکرہ شاعرات اُردو تالیف محمد جمیل احمد ایم ۔ اے ۔ بریلوی صفحہ ۷۷۰ - ۷۷۶ سنہ ۱۹۴۴ء

۲؎ جس وقت تذکرہ شاعرات شائع ہوا بیدلؔ تخلص تھا ۔ مگر اس کے بعد بیدلؔ بدل کر مخفیؔ کر دیا ۔

اسلامیات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بارگاہِ ایزدی میں

تجھ سے فریاد ہے مولیٰ ترے دیوانوں کی
شمعِ اسلام کے دل سوختہ پروانوں کی

اب ترے ہاتھ میں ہے لاج مسلمانوں کی
خیر ہو دینِ محمدؐ کے نگہبانوں کی

پار گرداب سے مسلم کا سفینہ کر دے

پھر ہمیں بلبلِ گلزارِ مدینہ کر دے

قرشی، ہاشمی و مطلبی کا صدقہ
گوہرِ قلزمِ عالی نسبی کا صدقہ

مہِ اوجِ شرفِ خوش لقبی کا صدقہ
مرے معبود، رسولِ عربی کا صدقہ

ہر تمنا کو ہم آغوشِ اجابت کر دے

دُرِ مقصود سے امید کا دامن بھر دے

ہم خطا وار گنہ گار ریاکار سہی
نشۂ بادۂ غفلت میں بھی سرشار سہی

اور پابندیِ احکام سے بیزار سہی
دام میں عار و مذلت کے گرفتار سہی

جادہ پیما تو اسی جادۂ مطلوب کے ہیں

نام لیوا تو پھر آخر ترے محبوب کے ہیں

در پہ حاضر ہیں ترے حال پریشاں لیکر
دوش پر بارِ غمِ گردشِ دوراں لیکر

چاک دل چاک جگر، دیدۂ گریاں لیکر
دل میں سیلاب سرشکِ غمِ پنہاں لیکر

تو اگر چاہے تو اک قطرہ کو عماں کر دے

ذرہ کو روکشِ خورشیدِ درخشاں کر دے

عرستاں میں ہوا جس مہِ کامل کا ظہور
جو کہ تھا منصبِ لولاکِ لما پر مامور

خود مشیت کو تری جسکی رضا تھی منظور
اُس کی امت ہے یوں قیدِ بلا میں محصور

پنجۂ کفر میں ایمان کو گرفتار نہ کر

اب گوارا قلقِ احمدِ مختار نہ کر

تجھ کو محبوب کے اوصافِ جمالی کی قسم
اس لب پاک کی اعجاز مقالی کی قسم

تجھ کو دیتی ہوں اُسی سیّدِ عالی کی قسم
اسکی عترت کی قسم اس کے موالی کی قسم

دستِ ناکارا کا زیور وہی شمشیریں ہوں

پھر وہی ہم، وہی نعرے، وہی تکبیریں ہوں

جذبۂ عشق اگر پھر ہمیں حاصل ہو جائے
سوزِ رفتہ سبب گرمیٔ محفل ہو جائے

شوق اگر حالِ دلِ زار کے شامل ہو جائے
دل جواب کچھ بھی نہیں پھر کسی قابل ہو جائے

پھر وہی سوز، وہی درد بنے رازِ حیات

گونج اُٹھے اسی مضراب سے پھر سازِ حیات

پھر ہمیں ملتِ بیضا کا پرستار بنا
اسی دربار کا پھر غاشیہ بردار بنا

پھر ہمیں آئینۂ عارضِ دلدار بنا
پھر اُسی ساغر و مینا کا طلبگار بنا

مطلعِ نور شبِ تار کا سینہ کر دے

پھر خزف ریزوں کو چمکا کے نگینہ کر دے

نعت

بڑی مدت کے بعد آخر وہ دورِ سازگار آیا
برسنے گلشنِ ہستی پہ ابرِ نوبہار آیا

یہ مژدہ لیکے پھر قاصد میانِ مرغزار آیا
کہ عہدِ خسروِ گل خیر سے برروئے کار آیا

شگفتہ گلشنِ مقصد ہوا فیضِ بہاراں سے

ہوئے سیراب دلہائے خلائق ابرِ باراں سے

مبارک ہو جہاں میں آج وہ ذی اقتدار آیا
جسے محبوبیٔ خالق کا خلعت سازگار آیا

نہ ہو کیوں الیوم اکملت لکم کا تاجدار آیا
امیں کرسی نشیں، سدرہ مکیں رفرف سوار آیا

شہ امی لقب، والا نسب، عالی وقار آیا

رسولِ نامدار آیا - رسولِ نامدار آیا

ے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناہ پارہ ۶ ب ۵ سورۃ المائدۃ
آج ہم نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے مذہب اسلام کا انتخاب کیا۔

گلستانِ جہاں پر آج رنگِ وجد طاری ہے — زباں پر پتیوں کی نغمۂ توحید جاری ہے

زمیں کا گوشہ گوشہ آج وقفِ زرنگاری ہے — کہ پھیلی شش جہت میں نکہتِ محبوبِ باری ہے

مئے حُبِّ محمدؐ سے سراپا جوش ہیں شاخیں

ہوائے سرمدی کی گود میں مدہوش ہیں شاخیں

بنایا باعثِ تخلیق جس ذاتِ گرامی کو — فضیلت کی عطا عالم پہ جس کے نامِ نامی کو

گروہِ قدسیاں صف بستہ ہے جسکی سلامی کو — سعادت جانتا ہے آسماں جسکی غلامی کو

محبت جس کی انساں کو کلیدِ بابِ جنت ہے

وہ جس کا دامنِ رحمت کفیلِ شرمِ امت ہے

وہ جسکی ذاتِ اقدس رحمتِ خلاقِ اکبر ہے — وہ جسکا روئے روشن رشکِ مہرِ منور ہے

شفیعِ روزِ محشر مالکِ تسنیم و کوثر ہے — نشاطِ جانِ محزوں ہے قرارِ قلبِ مضطر ہے

جو ہے شاہِ دو عالم اور سرمایہ نہیں رکھتا

جو سایہ ہے خدا کا گرچہ خود سایہ نہیں رکھتا

فرشتے سر جھکاتے ہیں زہے توقیر کاشانہ
زمیں دہلیز ہے اس کی فلک اُس کا جلوخانہ

ردائے فقر اُسکی نازشِ ملبوسِ شاہانہ
دلِ انور مئے عرفانِ باری کا ہے پیمانہ

اُسی کے نور کے انوار ہیں اطرافِ عالم میں
شعاعیں اس کی ہیں جلوہ فگن اکنافِ عالم میں

وہ سرتاجِ رسالت گلشنِ توحید کا مالی
ہوئی سرسبز جسکی ذات سے اسلام کی ڈالی

یہ تھی اس مصلحِ اعظم کی ادنیٰ شانِ اجمالی
بیک آواز جسنے کفر کی کایا پلٹ ڈالی

کیا بے نور جس کے نور نے شمعِ ضلالت کو
مٹایا دفترِ ہستی سے انساں کی جہالت کو

ہوا درخشاں افق پر جب وہ نورِ ایزدِ باری
ہوئی صدقہ میں اس کے دور دنیا سے سیہ کاری

چمن پیرائے وحدت نے دکھائی اپنی گلکاری
بنی بہ شیرۂ رحمت عرب کی سرزمیں ساری

چھڑایا نوعِ انساں کو غلامی سے تباہی سے
مٹایا کفر کی ظلمت کو انوارِ الٰہی سے

جُھکا با حق کے آگے اہلِ نخوت کی جبینوں کو — خزینہ نورِ عرفاں کا بنایا ان کے سینوں کو

کیا ایثار و خودداری پہ مائل نکتہ چینوں کو — سرآرائے عالم کر دیا صحرا نشینوں کو

غرض اک آن میں نقشہ ہی بدلا بزمِ عالم کا
یہ سب صدقہ تھا اے مخفیؔ اُسی ذاتِ مُعظّم کا

بسکہ کلکِ گوہر افشاں مائلِ تسطیر ہے — سلکِ گوہر کی طرح روشن مری تحریر ہے

کیوں نہ ہو ممدوح جب وہ صاحبِ توقیر ہے — جس کے دم سے عالمِ ایجاد پُر تنویر ہے

بعدِ خالق سب سے افضل جس کی ذاتِ پاک ہے
مالکِ "قوسین و ادنیٰ"[۱] صاحبِ لولاک ہے

---

[۱] فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ (پارہ قال فما خطبکم ۲۷، سورۃ النجم)
دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم۔

آج وہ دن ہے کہ دُنیا دامنِ حسرت میں ہے
جلوۂ نورِ خدا خلوت سے اب جلوت میں ہے

وہ گُلِ تر رونق افزا گلشنِ قدرت میں ہے
جسکی نکہت ہر گل و گلزار کی نکہت میں ہے

وصف جس کا حق نے فرمایا بیاں، قرآن میں
سورۂ "یسین" و "طٰہٰ" آیا جسکی شان میں

سر بسجدہ ہے زمیں پیشِ خدائے انس و جاں
نورِ وحدت ہی جہاں کے گوشے گوشے سے عیاں

اہلِ دُنیا کو یہ مژدہ دے رہے ہیں قدسیاں
لاتا ہے تشریف اب محبوبِ ربِّ دو جہاں

کفر کی ظلمت مٹے گی جلوۂ پُر نور سے
ذرّہ ذرّہ جگمگا اُٹھیگا برقِ طور سے

وہ رسولِ ہاشمی والا نسب عالیجناب
مظہرِ نورِ خدا بُرجِ شرف کا آفتاب

رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن جسکو دیا حق نے خطاب
وہ شہِ اُمّی لقب وہ صاحبِ اُمُّ الکتاب

رونقِ بزمِ جہاں وہ سیّدِ جن و بشر
باعثِ تخلیقِ عالم جس کی ذاتِ مفتخر

جس نے باطل کے سفینے کو ڈبو یا وہ رسولؐ
جس نے کفر و جہل کی ظلمت کو کھویا وہ رسولؐ

اُمتِ عاصی کی خاطر جو نہ سویا وہ رسولؐ
پیشِ خالق رات بھر سجدہ میں رویا وہ رسولؐ

جس نے اپنے خوں سے سینچا گلشنِ اسلام کو
کر دیا روشن زمانے میں خدا کے نام کو

نورِ یزداں سے منوّر جسکی ذاتِ پاک ہے
عطرِ عرفاں سے معطّر جسکی ذاتِ پاک ہے

خلق کی حامی و یاور جس کی ذاتِ پاک ہے
قاسمِ تسنیم و کوثر جس کی ذاتِ پاک ہے

جس کی چشمِ لطف ہے غمخوار ہر دلگیر کی
جس کے در کی خاک میں تاثیر ہے اکسیر کی

وہ بہارِ باغِ ہستی زینتِ بزمِ جہاں
صاحبِ تاجِ شفاعت مالکِ کاخِ جناں

جس کا ہی قصرِ معلّیٰ سجدہ گاہِ قدسیاں
ہے زمیں جس کے درِ اقدس کی رشکِ آسماں

فخرِ دنیا، فخرِ دیں، فخرِ عجم، فخرِ عرب
روزِ محشر ہے شفیع المذنبیں جس کا لقب

وہ مجسّم رحم لیکن ظالموں پر سخت گیر　　جسکی شانِ پاک میں آیا مبشّر اور نذیر

مالکِ کونین اور لذّت کشِ نانِ شعیر　　بہترینِ خلق لیکن بندۂ ربِّ قدیر

فقر و شاہی کو ہے نازش جسکی ذاتِ پاک پر

عرش پر جس کے قدم لیکن جبیں ہی خاک پر

وہ شہِ ملکِ جلالت، جسکے ادنیٰ سے غلام　　لاتے خاطر میں نہ تھے فغفور و جم کا احتشام

جب نکلتی تھی دغا میں ان کی تیغ انتقام　　فرطِ ہیبت سے لرز جاتے تھے مصر و روم و شام

خلق میں ہیں ان کی جرأت کے فسانے آجتک

گونجتے ہیں دہر میں ان کے ترانے آجتک

ختم کر طولِ بیاں اب مخفیِ خستہ جگر　　ان مبارک ہستیوں کے واسطے سے عرض کر

اے خدا پھر دامنِ اسلام کو دے وہ گہر　　جنکی تابانی سے خیرہ ہو زمانے کی نظر

اے خدا صدیقؓ و فاروقؓ و علیؓ کو بھیجدے

سومناتِ دہر میں پھر غزنوی کو بھیجدے

شہنشاہِ اُمم محشر میں یکتا بن کے نکلیں گے — مریضِ دردِ عصیاں کے مسیحا بن کے نکلیں گے
گروہِ انبیاء میں سب سے اعلےٰ بن کے نکلیں گے — سیہ کاری کی ظلمت کا اُجالا بن کے نکلیں گے

خدا کی شانِ رحمت کا تقاضا بنکے نکلیں گے

نظر آئیگی جب حضرت کو اُمت کی نگوں ساری — گرینگے جا کے سجدہ میں وہ نورِ ایزدِ باری
زباں پہ ہوگی پھر اللہ کی حمد و ثنا جاری — کریگی چشم رحمت اشکِ پیہم سے گہر باری

وہ آنسو کشتِ اُمت کا سہارا بن کے نکلیں گے

صفِ محشر میں یہ شانِ رسولِ ہاشمی ہوگی — پریشاں زلفِ مشکیں دوشِ اقدس پہ پڑی ہوگی
درِ معبود پر پیشانیِ انور جھکی ہوگی — زبانِ النبی پر رَبِّ هَبْ لِي اُمَّتِيْ ہوگی

دُعا کے بول اجابت کا قبالہ بن کے نکلیں گے

سرِ اقدس پہ ہوگا مکرمت کا تاجِ شاہانہ — نکلیگا اُن کا مُنہ محشر بپا ہو کہ بیگانہ
کُھلے گا اُن کی خاطر بادۂ وحدت کا میخانہ — اُٹھا کر دستِ پُرانوار میں رحمت کا پیمانہ

لبِ کوثر وہ پیاسوں کی تمنّا بن کے نکلیں گے

خدا سے بخشش اُمت کا وعدہ بر ملا ہوگا — اُنہیں سرداریِ کونین کا خلعت عطا ہوگا
سُرخ روشن سی میدانِ قیامت پُرضیا ہوگا — شفاعت کا سرِ پُرنور پر سہرا بندھا ہوگا

محمّد ابنِ عبداللہ دولھا بن کے نکلیں گے

جہاں جب ہوگا قربِ نیّرِ اعظم سی فریادی — کریگا پیرِ گردوں زیبِ تن پوشاکِ فولادی
صدائے اَلعَطَش سی گونج اٹھیگی حشر کی وادی — تو اُس دم اپنی اُمّت کیلئے اسلام کے ہادی

خدا کے دامنِ رحمت کا سایہ بن کے نکلیں گے

سُنینگے جب وہ مجبوروں کی دردانگیز آہوں کو — تو دامانِ عنایت میں چھپا لینگے گناہوں کو
جُھکا کر پیشِ خالق شرم آلودہ نگاہوں کو — دُعا ہوگی " الٰہی بخش دے ان بے پناہوں کو

وہ اپنے بے سہاروں کا سہارا بنکے نکلیں گے

ہر اک کو حشر میں جب نفسی نفسی کی پڑی ہوگی
گنہگارانِ اُمت کی انہیں سے لَو لگی ہو گی

صفِ محشر میں جب حُسنِ حق نما کی روشنی ہوگی
وفورِ شوق میں ہر آنکھ اُن کو دیکھتی ہوگی

وہ جب مرآتِ نورِ حق تعالیٰ بن کے نکلیں گے

نہ ہو مایوس کوئی خطرۂ روزِ قیامت سے
نہ کوئی اُمتی باقی رہیگا فیضِ رحمت سے

رہے محروم کوئی دُور ہی شانِ شفاعت سے
نہ آئے کوئی ان کے پاس گر فرطِ ندامت سے

وہ آپ اپنے گنہگاروں کے جویا بن کے نکلیں گے

پھر جہاں کے ذرّے ذرّے پر شباب آنے کو ہے
شامِ ظلمت میں شبیہِ آفتاب آنے کو ہے

خالقِ عالم نے بھیجا جسکو تحفہ میں درود
آج اس عالم میں وہ عالیجناب آنے کو ہے

درّۃ التاجِ نبوّت شمعِ بزمِ معرفت
فخرِ اُمت صاحبِ اُمّ الکتاب آنیکو ہے

ہے سحابِ لطفِ حق آمادۂ بارانِ نور / باغِ ہستی میں بہارِ کامیاب آنے کو ہے

آج ہے فاراں پہ وہ مہرِ رسالت جلوہ گر / جس کو سردارِ دوعالم کا خطاب آنے کو ہے

ہو چکا افلاک پر بدرِ نبوت کا کمال / اب زمیں پر وہ درخشاں ماہتاب آنے کو ہے

بادۂ توحید سے بھر نہیں رندوں کے جام / ساقیا پھر تیری محفل پر شباب آنے کو ہے

التجائیں کی تھیں حق سے جو خلیل اللہ نے / ان خجستہ التجاؤں کا جواب آنے کو ہے

جس کی صولت میں ہے پنہاں عظمتِ کعبہ کا راز / لو مبارک وہ دعائے مستجاب آنے کو ہے

پردۂ تقدیر میں اب تک جو تھا جلوہ فروز / اب وہ نورِ ذاتِ باری بےحجاب آنے کو ہے

خود بنایا ہے حبیب اپنا جسے اللہ نے / وہ نگارِ بزمِ ہستی بےنقاب آنے کو ہے

وا کیا ساقی نے پھر میخانۂ روزِ الست / کفر کے ساغر میں وحدت کی شراب آنے کو ہے

ٹوٹنے والا ہے کوئی دم میں باطل کا طلسم / بزمِ عالم میں نرالا انقلاب آنے کو ہے

جگمگانے کو ہے ہر ذرہ بسیطِ دہر کا / اوجِ عزت کا درخشاں آفتاب آنے کو ہے

قیصر و کسریٰ سے جس کے غاشیہ بردار ہیں / خلق میں وہ خسروِ گردوں رکاب آنے کو ہے

عیسیٰ مریم نے دی تھی جس کے آنے کی نوید
اب وہ فخرِ عیسیٰ عالی جناب آنے کو ہے

اب اندھیرا کا لعدم ہوگا سحر ہونے کو ہے
اب خطا غرقِ فنا ہوگی صواب آنے کو ہے

عاصیوں سے شانِ رحمت کا اشارہ ہے یہی
ہو نہ مضطر شافعِ روزِ حساب آنے کو ہے

نعت

مہکا وہ گُلِ لولاک لمّا جب یثرب کے گلزاروں میں
توحید کی نکہت پھیل گئی تثلیث کے سارے اداروں میں

عالم سے جہالت دور ہوئی دنیا سے جفا کافور ہوئی
مندر میں بپا ہے شورِ اذاں توبہ کی صدا میخواروں میں

وہ دولتِ سرِّ خفی و جلی جو طیبہ کی گلیوں میں لٹی

اربابِ ہوس کو وہ نہ ملی سلطانوں کے درباروں میں

اے ابرِ سخا، ہاں جھوم کے آ، ہے شورِ عطش پیاسوں میں بپا

اے جانِ مسیحا چشمِ عطا اب تاب نہیں بیماروں میں

ہیں تیری گلی کے خاک بسر صد قیصر و کسریٰ سے بڑھ کر

ہیں تیری ادا کے دیوانے خود دنیا کے ہشیاروں میں

وہ جس نے دیا منزل کا پتہ وہ جس نے بتائی راہِ خدا

گم کردہ منزل قافلہ تھا جب غم کی راہگزاروں میں

جو رنگ جہاں میں ظہور کا ہے۔ صدقہ یہ اسی کے نور کا ہے

ہے اس کی تجلّی تاروں میں، ہے اسکی مہک گلزاروں میں

اب خوابِ فنا سے اس کو جگا پھر مُسلمِ خوابیدہ کو سُنا

جو نعرۂ حق گونجا تھا کبھی میدانوں میں کہساروں میں

سرسبز ہوا گلزارِ جہاں فیضانِ سحابِ رحمت سے
پھولوں کا تو مخفیؔ ذکر ہی کیا باقی نہیں سختی خاروں میں

نعت

جب نورِ نبی محفلِ[1] امکان میں آیا
اک زلزلہ سا کفر کے ایوان میں آیا

ذریتِ آدم کی ہدایت کی غرض سے
وہ نورِ خدا پیکرِ انسان میں آیا

والشمس کا رُخ سورۂ واللیل کے گیسو
وہ ماہِ مبیں جامۂ قرآن میں آیا

تبلیغِ رسالت کی سند ہاتھ میں لیکر
وہ ماہِ عرب بدر کے میدان میں آیا

آتی تھی ندا پردۂ لاہوت سے پیہم
محبوبِ خدا محفلِ امکان میں آیا

ہو گا مری رحمت سے سرِ حشر ہم آغوش
اس رحمتِ عالم کے جو دامان میں آیا

[1] نوٹ۔ امکان وغیرہ میں نون کا اظہار خلاف قاعدہ ہے۔ لیکن بندش کی سلاست کے پیشِ نظر اس کو روا رکھا گیا ہے

مہکا دیا جس پھول کی نکہت نے جہاں کو
وہ پھول عرب کے چمنستان میں آیا

وہ موردِ خاص آیہ اَکْمَلْتُ لَکُمْ کا
اتمام نعم کو عربستان میں آیا

وہ صدر نشیں مسندِ لولاک لما کا
شان اپنی دکھانے کو عجب شان میں آیا

مخفی جو رہا آکے مدینہ کی گلی میں
کب بارگہہ قیصر و خاقان میں آیا

نعت

ہے نورِ خدا رونقِ ایوانِ مدینہ
جنت سے فزوں تر ہو نہ کیوں شانِ مدینہ

جنّت کی بہاریں ہوئیں قربانِ مدینہ
وہ گُل جو ہوا زینتِ بستانِ مدینہ

ملتی ہے جہاں بھیک میں کونین کی دولت
وہ در ہے درِ رحمتِ سلطانِ مدینہ

کب ہوتے ہیں پورے دلِ مشتاق کے ارماں
کب دیکھئے بلواتے ہیں سلطانِ مدینہ

آ آ کے رگڑتے ہیں ملک اپنی جبیں کو — اے صلِّ علیٰ رفعتِ ایوانِ مدینہ

ہر درد کے درمان کو ہو اکسیر سے بڑھکر — تاثیر میں خاکِ درِ سلطانِ مدینہ

آئیں گی سرِ حشر یہ بخشش کی ندائیں — فردوس میں داخل ہوں غلامانِ مدینہ

رضواں کو مبارک رہیں جنّت کی بہاریں — طالب ہے مدینہ کا ثنا خوانِ مدینہ

اے آبلہ پائی نہ کر اب شکوۂ تقدیر — ہیں عقدہ کشا خارِ بیابانِ مدینہ

پائے گی سکوں گرمیٔ خورشید سے دنیا — محشر میں تہِ دامنِ سلطانِ مدینہ

ہے جس سے خجل گلشنِ فردوس کا منظر — اللہ ری شادابیٔ بستانِ مدینہ

باطل کی شبِ تار ہے صد مہرِ درآغوش — جلووں سے ترے اے مہِ تابانِ مدینہ

امید ہے بخشش میں نہ اب دیر لگیگی — پلّے پہ ہیں جب سرورِ ذیشانِ مدینہ

آؤں نہ کبھی لوٹ کے پھر ہند کو مخفیؔ
کر دے مجھے تقدیر جو مہمانِ مدینہ

———•(–X–)•———

ولادت

زباں سے اپنی پہلے تو خدا کا نام لے ساقی
مئے وحدت کا پھر اک مجھکو تازہ جام دے ساقی

کہ جس کے نور سے سینہ مرا معمور ہو جائے
اندھیرے گھر میں روشن شمعِ بزمِ طور ہو جائے

شرابِ عشق کا ساغر میں پی پی لوں تو بھر بھر دے
سرورِ سرمدی سے دل کو میرے بے خبر کر دے

نہ یہ فرضی فسانہ ہے نہ یہ قصّہ کہانی ہے
مجھے تفسیر اس نورِ مطہّر کی بتانی ہے

ادا ہو حق ثنا کا اس کی یہ طاقت کہاں میری
سر افگندہ ہے خامہ اور عاجز ہے زباں میری

وہ جسکی ذاتِ اقدس باعثِ تکوینِ عالم ہے
وہ جس کا نامِ اطہر مایۂ تسکینِ عالم ہے

خدا کے نام کے ہمراہ جس کا نام آتا ہے
جو مشکل وقت میں ہر بے نوا کے کام آتا ہے

توسل گر نہ ہوتا اُس دم اس نورِ مجسم کا
گنہ بخشا نہ جاتا حشر تک حوا و آدم کا

کئے جس کے لئے حق نے زمین و آسماں پیدا
ہوئی ہے جس کی خاطر محفلِ کون و مکاں پیدا

بتایا جس نے آکر عبد کو معبود کا رستہ
بھٹکتوں کو دکھایا منزلِ مقصود کا رستہ

کیا رائج جہاں میں جس نے رسمِ حق پرستی کو
مٹایا چیرہ دستانِ جہاں کی چیرہ دستی کو

زمانہ کو دکھائی اک نئی شانِ خوش اسلوبی
مٹایا نقشِ کیں خواہی جما کر رنگِ محبوبی

تمنا چاند کو جس کے رخِ انور کے ہالے کی
ہے مجھ کو آج لکھنا داستاں اس کملی والے کی

صبا یہ کس کی آمد کی نویدِ جانفزا لائی
جہاں کے گوشے گوشے سے مسرت کی ہوا آئی

اٹھا ابرِ بہاری جھوم کر اطرافِ عالم میں
ہوئی رحمت کی بارش چار سو اکنافِ عالم میں

چمن پیرائے وحدت نے دکھائی اپنی گلکاری
ہوا اقصائے گیتی پر نزولِ رحمتِ باری

جو چل کر باغِ رضواں سے نسیمِ مشکبار آئی
تو صحنِ باغِ عالم میں نئے سر سے بہار آئی

گیا فصلِ خزاں کا دور ہنگامِ بہار آیا
چمن پر گھر کے ابرِ رحمتِ پروردگار آیا

یہ کس کے مصحفِ عارض کا ہے عالم تماشائی
یہ کس نے نور کے پردے سے کی ہے جلوہ آرائی

شبِ دیجور پر کس چاند نے اپنی ضیا ڈالی
تجلی رخِ انور سے دنیا جگمگا ڈالی

گروہِ انبیا میں سب سے اعلیٰ شان ہے کس کی
رسالت اور نبوت پر سند قرآن ہے کس کی

گروہِ قدسیاں کس کو سلامی پیش کرتا ہے
کسے پیرِ فلک خطِ غلامی پیش کرتا ہے

ہے کس کی تہنیت کا غل زمینوں آسمانوں میں
صدا تکبیر کی آتی ہے کیا میٹھے ترانوں میں

ملا ہے حکم یہ جبریلؑ کو درگاہِ قدرت سے
مزین ارضِ بطحا کو کریں ہر زیب و زینت سے

زمیں کا ذرہ ذرہ مطلعِ انوار ہو جائے
مثالِ طور روشن آج ہر کہسار ہو جائے

یہ عالم ہو کہ ہر شاخِ شجر پر وجد طاری ہو
زباں پر پتیوں کی کلمۂ توحید جاری ہو

شرف ازبسکہ پایا آمدِ محبوبِ یزداں سے
فزوں ہے دلکشی میں باغِ گیتی باغِ رضواں سے

سلامی کیلئے شمس و قمر ہیں در پہ استادہ
کھڑی ہے فوجِ انجم بہرِ استقبال آمادہ

سمندر اس خوشی میں دامنوں میں اپنے بھر بھر کر
برائے تہنیت حاضر ہیں لیکر بے بہا گوہر

پیمبر لائے ہیں تشریف رسمِ تاج پوشی کو
ہوئے ہیں حور و غلماں در پہ حاضر سرفروشی کو

جو دیکھی شانِ تشریف آوریٔ سیدِ والا
تو دل ہونے لگے خیلِ شیاطیں کے تہ و بالا

بجھا ہو کر نگوں سر نارِ مغرور کا شعلہ
چمک اٹھا مثالِ برقِ شمعِ طور کا شعلہ

عزازیل اپنی قسمت پر کفِ افسوس مل مل کر — صنم خانوں میں رو دیتا ہے سوزِ غم سے جل جل کر

منات و لات کہتے بیتِ حق سے یہ بہم نکلے — "بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے"

علم جب دینِ بیضا کا سرِ فاراں پہ لہرایا — پئے نذرِ شہِ دیں کفر لے کر اپنا سر آیا

فلک سے جب لگی تکبیر کی آنے صدا پیہم — زمیں نے گر کے سجدے میں کیا شکرِ خدا اس دم

نظر آئے زمیں پر کھیلتے اسرار قدرت کے — کھلے ارض و سما کے قلب پر انوار قدرت کے

نہیں آج اپنے جامہ میں حرم پھولا سماتا ہے — پئے تعظیم آقا سر کو سجدہ میں جھکاتا ہے

خلائق کو یہ جبریلِ امیں مژدہ سناتے ہیں — اٹھو تعظیم کو محبوبِ حق تشریف لاتے ہیں

وہ سردارِ عجم، فخرِ عرب، سلطانِ دیں آیا — مددگارِ دو عالم رحمت للعٰلمیں آیا

وہ نورِ لم یزل فخرِ رسالت بن کے چمکے گا — جہاں میں نیرِ برجِ جلالت بن کے چمکے گا

سحر نے حق سے اپنی التجاؤں کا ثمر پایا — ازل سے رات جس کی منتظر تھی وہ قمر آیا

تمنائے دلی اپنی خلیل اللہ نے پائی — تمنا حضرتِ عیسیٰ کی فضلِ حق سے بر آئی

کیا کرتی تھی ذاتِ لم یزل خود جس کا نظارہ — ہوا ہے منزلِ ہستی میں وارد اب وہ مہ پارا

علم ہوتے ہیں اب جھنڈے جہاں ہیں دینِ بیضا کے   کھڑے روتے ہیں قسمت کو پجاری لات و عزیٰ کے

اُٹھو تعظیم کو شاہِ ہدیٰ تشریف لاتا ہے

مٹانے کفر کی ظلمت سراپا نور آتا ہے

سلام

ظاہر ہوا افق پر جس دم وہ ماہِ ہستی   آیا قدم پہ جھکنے اقبالِ بت پرستی

حسنِ عمل سے بدلے اندازِ چیرہ دستی   ہم اوج ہے فلک سے بختِ زمیں کی پستی

آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں

دربارِ مصطفےٰؐ میں نذرِ سلام بھیجیں

تاباں افق پہ دیکھا جب نورِ اوّلیں کو   رحمت نے کھول اپنے آغوشِ نازنیں کو

لپٹا لیا گلے سے اس نازآفریں کو   آئی ندائے ہاتف ہر ساکنِ زمیں کو

آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں

دربارِ مصطفےٰ میں نذرِ سلام بھیجیں

خالق نے جب ادا کی محبوبؐ کی سلامی ‏ تحریر دی فلک نے لکھ کر سپئے غلامی
روح الامین نے بڑھ کر توسن کی باگ تھامی ‏ پیغام یہ رسالت لائی بہ شادکامی

آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں
دربارِ مصطفےٰؐ میں نذرِ سلام بھیجیں

جس کے فراق میں تھی کعبہ کو سوگواری ‏ گھر آمنہ کے چمکا وہ نورِ ذاتِ باری
روح الامیں کی آئی آواز پیاری پیاری ‏ بطحا میں آرہی ہے محبوبؐ کی سواری

آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں
دربارِ مصطفےٰؐ میں نذرِ سلام بھیجیں

جب فصلِ گُل کو لیکر ابرِ بہار آیا ‏ گلزارِ ہاشمیؐ میں تازہ نکھار آیا
جب عہدِ خسروِ گل بر روئے کار آیا ‏ دورہ مٹا خزاں کا ہاتف پکار آیا

آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں
دربارِ مصطفےٰؐ میں نذرِ سلام بھیجیں

آغوشِ آمنہ میں وہ آج جلوہ گر ہے　　جس کی تجلیوں سے شب مطلعِ سحر ہے

شمشیر ہے خدا کی اسلام کی سپر ہے　　فاراں کا مہرِ تاباں۔ یثرب کا وہ قمر ہے

آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں

دربارِ مصطفےٰ میں نذرِ سلام بھیجیں

گلزارِ سرمدی کی نکہت فزا ہوائیں　　کیونکر مشامِ جاں کو خوشبو نہ کرنے آئیں

رحمت کی اُٹھ کے برسیں ہر چار سو گھٹائیں　　لازم ہے یہ ترانہ جوشِ طرب میں گائیں

آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں

دربارِ مصطفےٰ میں نذرِ سلام بھیجیں

صحنِ چمن میں گونجے عشرت کے شادیانے　　شاخوں نے مل کے گائے توحید کے ترانے

قدرت لگی لٹانے عرفان کے خزانے　　گلشن میں یوں گلوں سے جا کر کہا صبا نے

آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں

دربارِ مصطفےٰ میں نذرِ سلام بھیجیں

روئے سحر سے حق نے شب کا نقاب اٹھایا ہر ذرۂ جہاں کو پرتو سے جگمگایا

نصرت نے بڑھ کے مژدہ دُنیا کو یہ سُنایا لو نیّرِ نبوّت بامِ افق پہ آیا

آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں

دربارِ مصطفٰے میں نذرِ سلام بھیجیں

مخلوق میں خدا کی گفتار بن کے آئے باطل کے آگے حق کا کردار بن کے آئے

صنعِ ازل کے رنگیں شہ کار بن کے آئے نبیوں کے قافلے کے سالار بن کے آئے

آؤ ادب کا تحفہ سب خاص عام بھیجیں

دربارِ مصطفٰے میں نذرِ سلام بھیجیں

وہ نورِ حق ہوا جب عالم میں جلوہ آرا اوجِ فلک پہ چمکا مزدور کا ستارا

جامہ ہوا عرب کی نخوت کا پارا پارا بازی میں زندگی کی ایماں سے کفر ہارا

آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں

دربارِ مصطفٰے میں نذرِ سلام بھیجیں

ٹھوکر لگا کے حق نے باطل کے قصر ڈھائے
تکبیر کی صدا نے دشت و جبل ہلائے

دُنیا کے سرکشوں نے فرقِ ادب جھکائے
کہتے یہ دست بستہ پیشِ حضور آئے

آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں

دربارِ مصطفےٰ میں نذرِ سلام بھیجیں

جب تاج سر پہ چمکا اجلال سروری کا
پستی نے ہنس کے دیکھا منہ چرخِ چنبری کا

جھنڈا ہوا نگوں سر ظلم و ستمگری کا
پرچم گرا زمیں پر اصنامِ آذری کا

آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں

دربارِ مصطفےٰ میں نذرِ سلام بھیجیں

صبحِ طرب نے کھینچا نقشہ نئے عمل کا
ڈنکا بجا جہاں میں محبوبِ لم یزل کا

محفل میں کفر کی پھر وحدت کا جام چھلکا
ساقی نے وا کیا در میخانۂ ازل کا

آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں

دربارِ مصطفےٰ میں نذرِ سلام بھیجیں

باطل پہ جس نے حق کا سکہ بٹھا کے چھوڑا
جس نے دوئی کا نقشہ یکسر مٹا کے چھوڑا

بنیاد کو خودی کی جس نے ہلا کے چھوڑا
بیت الصنم کو جس نے کعبہ بنا کے چھوڑا

آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں
دربارِ مصطفےٰؐ میں نذرِ سلام بھیجیں

توحید کا جہاں میں ڈنکا بجانے والا
الحاد کا چراغِ ہستی بجھانے والا

کثرت میں سب کو نورِ وحدت دکھانے والا
بھٹکے ہوؤں کو حق کا رستہ بتانے والا

آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں
دربارِ مصطفےٰؐ میں نذرِ سلام بھیجیں

مشرق سے تا بہ مغرب ہے فیضِ عام جس کا
تخییل سے بشر کی برتر مقام جس کا

سچا ہے کام جس کا پیارا ہے نام جس کا
گلزارِ خلد جس کا دارالسلام جس کا

آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں
دربارِ مصطفےٰؐ میں نذرِ سلام بھیجیں

دل میں بسا ہوا ہے رنگِ بہارِ طیبہ　　نظروں میں پھر رہے ہیں نقش و نگارِ طیبہ

جاں ہے فدائے طیبہ دل ہے نثارِ طیبہ　　آقا ہمیں دکھا دے اب وہ دیارِ طیبہ

آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں

دربارِ مصطفےٰ میں نذرِ سلام بھیجیں

حسنِ عمل کے گل اور گلدستۂ صداقت　　ہو دل کا آبگینہ پُر رازِ مے محبّت

اشکوں کے موتیوں کی لڑیاں پئے عقیدت　　دیکر یہ نذر سوئے کاشانۂ رسالت

آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں

دربارِ مصطفےٰ میں نذرِ سلام بھیجیں

اے تاجدارِ امت نذرِ سلام لیجے　　اے شہریارِ ملّت نذرِ سلام لیجے

اے ماہِ اوجِ رفعت نذرِ سلام لیجے　　اے آفتابِ عظمت نذرِ سلام لیجے

آؤ ادب کا تحفہ سب خاص و عام بھیجیں

دربارِ مصطفےٰؐ میں نذرِ سلام بھیجیں

مدنی آقا سے

اے مسیحائے دلِ زار کہاں ہے آجا
جاں بلب ہیں ترے بیمار کہاں ہے آجا

اے نشاطِ جگرِ افگار کہاں ہے آجا
مر چلے تشنۂ دیدار کہاں ہے آجا

ہم پہ ہے نرغۂ افکار کہاں ہے آجا

عین گرداب میں ہے کشتیٔ امت اس دم
المدد المدد اے پشت و پناہِ عالم

سوئے طیبہ نظرِ حزن اٹھا کے پیہم
یاس سے دیکھتے ہیں ساحلِ امید کو ہم

ڈوبے ڈوبے ترے لاچار کہاں ہے آجا

لٹ گئی سب ترے گلشن کی بہارِ جاوید
اب نہ وہ بادِ بہاری ہے نہ وہ روزِ سعید

عصرِ نو کی ستم انگیز جفاؤں کے شہید
منتظر دیر سے بیٹھے ہیں لگائے امید

اے ستم دیدوں کے غمخوار کہاں ہے آجا

اب نہ ساقی ہے نہ میکش ہیں نہ وہ میخانے
سرنگوں خاک پہ روتے ہیں ہمتے پیمانے

پھر اسی جام کے طالب ہیں ترے مستانے　　جس کو پیکر ترے مینوش بنے فرزانے

لے کے وہ بادۂ ہشیار کہاں ہے آ جا

جلوہ افروز بتا کون سے ایواں میں ہے تو　　کعبۂ رب میں کہ یثرب کے گلستاں میں ہے تو

خلوتِ عرش میں یا خلد کے بستاں میں ہے تو　　روح کے سوز میں ہے یا دلِ ویراں میں ہے تو

ڈھونڈتے ہیں یہ پرستار کہاں ہے آجا

نگہہِ ناز سے اب عشق کو گھائل کر دے　　حسن کو پھر سببِ گرمیِ محفل کر دے

جلد آساں دلِ مہجور کی مشکل کر دے　　چاک للہ ذرا پردۂ محمل کر دے

صانعِ حسن کے شہکار کہاں ہے آ جا

رو کے ہم حالِ دلِ زار سنائیں کبتک　　اشکِ غم دیدۂ پرخوں سے بہائیں کبتک

غم برگشتگیٔ بخت اٹھائیں کبتک　　درِ اغیار پہ ہم ٹھوکریں کھائیں کبتک

خستہ حالوں کے مددگار کہاں ہے آجا

اب وہ حالت ہے کہ بہبود کے آثار نہیں　　دلِ آگاہ نہیں دیدۂ بیدار نہیں

ہم وہ پونجی ہیں کوئی جس کا خریدار نہیں　　یوں بھٹکتے ہیں کہ تو رونقِ بازار نہیں

جنسِ کاسد کے خریدار کہاں ہے آجا

جس کے اقبال سے مرّیخ بھی تھرّاتا تھا　　جس کے آگے سرِ خورشید بھی جھک جاتا تھا

جس کی شوکت کی قسم پیرِ فلک کھاتا تھا　　سبز جھنڈا جہاں اسلام کا لہراتا تھا

لُٹ گیا آج وہ دربار کہاں ہے آجا

ہاتھ تھے قبضۂ شمشیرِ دودم پر جن کے　　سرِ آفاق تھا خم نقشِ قدم پر جن کے

آہ جھنڈے تھے گڑے روم و عجم پر جن کے　　فخر کرتا تھا جہاں جاہ و حشم پر جن کے

وہ مسلمان ہیں اب خوار کہاں ہے آجا

کفر کی حق کے مقابل میں فراوانی دیکھ　　دشتِ آفات میں واماندوں کی حیرانی دیکھ

شانِ مندر کی کلیسہ کی جہانبانی دیکھ　　اپنے ایوانِ فلک بوس کی ویرانی دیکھ

اجڑی نگری کے نگہدار کہاں ہے آجا

آ ذرا دیکھ ہمیں عالمِ تنہائی میں　　تیرے خدّام ہیں کس ذلت و رسوائی میں

ہیں عدو عیش و تنعم کی دل آرائی میں
اور ہم فقر و مصیبت کی پذیرائی میں

بخت ہے درپئے آزار کہاں ہے آجا

جن کو ملتا تھا سلاطینِ زمانہ سے خراج
آج وہ نانِ شبینہ کے لئے ہیں محتاج

کیا خطا ہو گئی اے زینتِ بزمِ معراج
ہم سے برہم ہوا کیوں سرورِ عالم کا مزاج

رحم کر احمدِ مختار کہاں ہے آجا

جاں بلب ہیں نگہہ لطف گھڑی بھر کر دے
مزرعِ خشک کو اے ابرِ کرم تر کر دے

تیرہ بختوں کے مقدر کو اجاگر کر دے
عاشقوں کی شبِ ہجراں کو منور کر دے

ہاشمی ماہِ پر انوار کہاں ہے آجا

بادِ صبا سے

وہ مقدس ارضِ طیبہ میرے آقا کا دیار
جس کے گلشن میں ترنم ریز ہے بادِ بہار

نزہتِ باغِ ارم جس کی لطافت پر نثار
جس میں محوِ استراحت ہے وہ شاہِ نامدار

آستانِ پاک جس کا ہے تری جائے خرام
اے صبا اس والیٔ طیبہ سے کہہ دینا سلام

جذبۂ دل لیکے پہنچے اس حریم ناز پر
حکمرانی شوق کی ہو جب تری پرواز پر

جب سنا لے اپنا نغمہ مکرمت کے ساز پر
جب کھلے بابِ اجابت نالۂ دم ساز پر

میری جانب سے جھکا کر سر کو با صد احترام
اے صبا اس والیٔ طیبہ سے کہہ دینا سلام

نورِ قدرت سے ہے روشن جسکے کاشانے کا رنگ
ہے نئی مے اور نرالا جس کے میخانے کا رنگ

چھپ نہیں سکتا جہاں میں جس کے مستانے کا رنگ
سارے رنگوں سے ہی دلکش جس کے پیمانے کا رنگ

تشنہ لب رکھتا نہیں رندوں کو جس کا فیضِ عام
اے صبا اس والیٔ طیبہ سے کہہ دینا سلام

وہ متاعِ دلبری ہے جس میں یکتائی کی شان
حسن کی زینت، وفا کا رنگ، زیبائی کی شان

دہر نے سیکھی ہے جس سے عالم آرائی کی شان
لالے میں غنچے میں گل میں جسکی رعنائی کی شان

وہ تخیل سے بشر کے جس کا اونچا ہے مقام

اے صبا اس والیٔ طیبہ سے کہہ دینا سلام

سورۂ واللیل کی تفسیر گھونگھر والے بال　　　کحلِ مازاغ البصر آنکھوں میں ڈورے لال لال

تھے ڈھلے والشمس کے سانچے میں جس کے خط و خال　　　حسن کی شیدا ہے خدائی جس کا عاشق ذوالجلال

رحمتِ عالم لقب ہے اور محمدؐ جس کا نام

اے صبا اس والیٔ طیبہ سے کہہ دینا سلام

رونقِ محفل بھی ہے وہ زینتِ محمل بھی ہے　　　حسن کا پیکر بھی ہے اور عشق کا حاصل بھی ہے

محرمِ خالق بھی ہے مخلوق سے واصل بھی ہے　　　کشتیٔ ملت کا وہ لنگر بھی ہے ساحل بھی ہے

ہے یقیناً عرش پر بھی جس کا واجب احترام

اے صبا اس والیٔ طیبہ سے کہہ دینا سلام

جس نے مضمونِ کفر کے وحدت کے عنواں کر دیئے　　　جس نے ریگستانِ عرب کے گل بداماں کر دیئے

جس نے سینے مخزنِ انوارِ عرفاں کر دیئے　　　خاک کے ذرے حریفِ مہرِ تاباں کر دیئے

جس نے بخشا بے نواؤں کو حکومت کا نظام

اے صبا اس والیِ طیبہ سے کہدینا سلام

آفتابِ چرخِ عظمت زندگی کی صبح عید — بے سہاروں کا سہارا نا امیدوں کی امید

جس کو دی خلاقِ عالم نے فتوضحیٰ کی نوید — جس کے حصے میں پڑی بابِ شفاعت کی کلید

ساقیٔ تسنیم و کوثر مالکِ دارالسلام

اے صبا اس والیِ طیبہ سے کہدینا سلام

جس کی خوبو جسکی سیرت جس کی شکلِ نازنیں — دل پذیر و دل پسند و دل فروز و دل نشیں

جس کی رفعت سے خجل ہے گنبدِ چرخِ بریں — ماند تابانی سے جس کی ہیں مہ و مہرِ مبیں

جس کا درِ چشمِ عقیدت کے لئے بیت الحرام

اے صبا اس والیِ طیبہ سے کہدینا سلام

اس کو کہیئے کو رشکِ گیتی کی قندیلِ حیات — وہ تجلی جس سے روشن ہو بساطِ شش جہات

جس کے قدموں پر جھکی آکر جبینِ کائنات — محو ہو کر رہ گیا باطل کا نقشِ بے ثبات

بن کے چمکا جو عرب کے چرخ پر ماہِ تمام
اے صبا اس والئ طیبہ سے کہہ دینا سلام

منتشر تھا خلق میں توحید کا ہر تارِ ساز
تھی رخِ ایماں پہ بکھری کفر کی زلفِ دراز

تشنۂ تکمیل اک مدت سے تھا ہستی کا راز
آ گیا آخر مجسم ہو کے لطفِ کارساز

ہو گئی معدوم جس کے نور سے باطل کی شام
اے صبا اس والئ طیبہ سے کہہ دینا سلام

چھیڑ کر سازِ خودی توحید کی مضراب سے
نیند کے ماتوں کو چونکایا فنا کے خواب سے

موجِ عرفاں کی اٹھا کر منبر و محراب سے
بھر دیا دنیا کا دامن گوہرِ نایاب سے

جس نے کی سیراب عالم کی نگاہِ تشنہ کام
اے صبا اس والئ طیبہ سے کہہ دینا سلام

مظہرِ حسنِ ازل تخلیق کا لب لباب
اک نگہ نے جس کی ذروں کو بنایا آفتاب

دامنِ فاراں سے اٹھی وہ شعاعِ شعلہ تاب
کر دیئے جس نے عرب کے سنگِ خارا لعلِ ناب

جس کی آمد نے بدل ڈالا نظامِ صبح و شام

اے صبا اس والیِٔ طیبہ سے کہدینا سلام

جس کی جرأت سے صفِ اعدا میں رستا خیز ہے　　صبر جس کا کربلا کے بن میں جلوہ ریز ہے

فقر جس کا سلطنت کی شانِ دل آویز ہے　　جس کے دربانوں پہ قرباں دولتِ پرویز ہے

وارثِ تاجِ کیان و تختِ جم جس کے غلام

اے صبا اس والیِٔ طیبہ سے کہدینا سلام

جب تری قسمت ہو حامی اور ہو یاور نصیب　　غنچۂ دل ہو شگفتہ جا کے منزل کے قریب

جب جگائے طالعِ خفتہ کو آوازِ نقیب　　تیری چشمِ آرزو ہو اور درِ بارِ حبیب

جلوۂ محبوب سے جب ہولیں نظریں شاد کام

اے صبا اس والیِٔ طیبہ سے کہدینا سلام

گرچہ میرا غم وہ غم ہے جو نہ لب تک آسکے　　پھر بھی میری عرض ہو گر رحم مجھ پر کھا سکے

اک مرا پیغام ہے لیجا اگر لے جا سکے　　اس حریمِ ناز تک پہنچا اگر پہنچا سکے

کون لیجائے سوا تیرے پیامِ مستہام

اے صبا ارضِ الٰہی طیبہ سے کہدینا سلام

درد فرقت سوزِ حسرت گریہ ہائے نیم شب
ہیں وہ دُر خالی ہے جن سے تیرا آغوشِ طلب

شربتِ دیدار کی پیاسی نگاہِ تشنہ لب
خاطرِ غم آشنا جانِ گرفتارِ تعب

پیش کر کے میری جانب سے یہ نذرِ ناتمام

اے صبا ارضِ الٰہی طیبہ سے کہدینا سلام

جاں اسیرِ دامِ غم دل طالبِ دیدار ہے
دردِ ہجراں کی بدولت زیست بھی دشوار ہے

بخت دشمن ہے زمانہ برسرِ پیکار ہے
زندگی سے ہم خفا ہم سے اجل بیزار ہے

مخفیِ مہجور کی جانب سے کہکر یہ پیام

اے صبا ارضِ الٰہی طیبہ سے کہدینا سلام

وحشتِ دل کو وہ نازِ دل ربا نہ چاہیے
دردِ سر کو تیرا سنگِ آستانہ چاہیے

زیست کو دامانِ رحمت میں ٹھکانہ چاہیے
مر کے اک ڈالی برائے آشیانہ چاہیے

کہہ کے بس یہ آرزو ئے ابتدائے اختتام

اے صبا اس والیٔ طیبہ سے کہدینا سلام

یثرب کے جانے والے سے

اے دیارِ شہ ذیجاہ کے جانے والے
خاص دربارِ شہنشاہ کے جانے والے

سرورِ خلق کی درگاہ کے جانے والے
منزلِ رحمت اللہ کے جانے والے

ہم سے برگشتہ نصیبوں کی خبر لیتا جا

جا سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا

تجھکو قسمت نے دکھائے ہیں یہ ایامِ سعید
کیوں نہ ہو اوجِ شرف پر ہے ترا نجمِ امید

تو ہے اور گلشنِ یثرب کی بہارِ جاوید
میں نہیں جلوۂ جاناں کے اگر قابلِ دید

فرشِ رہ کے لئے تو میری نظر لیتا جا

جا سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا

شکر کر دل سے ادا بخت کی بیداری کا
تو ہوا خیر سے مورد کرمِ باری کا

ہاں مگر پاس رہے رسمِ وفا داری کا
شغل ہوتا ورِ محبوب گہرباری کا

ہو ضرورت تو مرے دیدۂ تر لیتا جا

جا سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا

ضوفشاں جب تری قسمت کا ستارا ہوگا
سامنے مسکنِ محبوبِ دل آرا ہوگا

گنبدِ سبز کا جی بھر کے نظارا ہوگا
بار یابی کا سرِ بزم اشارا ہوگا

اپنی رنگین بیانی میں اثر لیتا جا

جا سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا

جب ملے آہِ رسا کو تری اذنِ پرواز
پہنچے تقدیر سے تجھے لے کے سرِ محفلِ ناز

کوئی تحفہ تو نہیں لائقِ سلطانِ حجاز
مگر اک عرض ہے ناچیز کی اے بندہ نواز

نذر کو چشمِ عقیدت کے گہر لیتا جا

جا سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا

ڈوبتی ناؤ کو ساحل پہ لگانے کے لئے
بند آفت سے اسیروں کو چھڑانے کیلئے
میری سوئی ہوئی قسمت کو جگانے کے لئے
قصۂ کاوشِ غم ان کو سنانے کیلئے

روح میں سوز دعاؤں میں اثر لیتا جا
جا سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا

آہ میں طاقتِ پرواز نہیں ہے نہ سہی
عشق میں جذب کا انداز نہیں ہے نہ سہی
نالہ تاثیر سے دمساز نہیں ہے نہ سہی
دل تجلّی سے سرافراز نہیں ہے نہ سہی

میری شب کرنے کو ہمرنگِ سحر لیتا جا
جا سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا

پہنچے جب سرورِ کونین کے کاشانے پر
کہیو اب روح ہے آمادہ نکل جانے پر
تنگ ہے جامۂ ہستی ترے دیوانے پر
دلِ بیتاب بہلتا نہیں بہلانے پر

خبرِ شیفتہ خاک بسر لیتا جا
جا سلامِ دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا

سر پہ ادبار کی گھنگھور گھٹا چھائی ہے　　طاقتِ ضبط نہ یارائے شکیبائی ہے

تیرے بدخواہ ہیں اور انجمن آرائی ہے　　تیرے خدام ہیں اور ذلت و رسوائی ہے

غرض یہ پیشِ شہِ جن و بشر لیتا جا

جا سلام دلِ تفسیدہ جگر لیتا جا

السلام اے شہ مکی مدنی العربی　　السلام اے قرشی ہاشمی و مطلبی

السلام اے مہ اوجِ فلک خوش لقبی　　السلام اے گہرِ قلزمِ عالی نسبی

درِ آقا پہ عقیدت سے غلام آئے ہیں

ہند سے خستہ جگر بہرِ سلام آئے ہیں

لیجئے بندِ مصیبت کے اسیروں کا سلام　　لیجئے پادشہ کونین فقیروں کا سلام

لیجئے امتِ بیکس کے حقیروں کا سلام　　قوم کے طفلوں کا برناؤں کا پیروں کا سلام

گر سلام اپنا قبولِ شہِ والا ہو جائے

شبِ تاریک مصائب میں اجالا ہو جائے

قصیدۂ معراج

لایا یہ قاصدِ اقبال خبر آج کی رات
جلوہ گر ہوگا کوئی رشکِ قمر آج کی رات

جذبۂ شوق ہے ہمدوشِ اثر آج کی رات
کھل گئے ہفت سماوات کے در آج کی رات

بندہ خالق کا ہے منظورِ نظر آج کی رات
عبد مہمان ہے معبود کے گھر آج کی رات

پیش آئینہ ہے خود آئینہ گر آج کی رات
پڑھتے ہیں صلِ علیٰ جن و بشر آج کی رات

مرحبا سید مکی مدنی العربی

دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

سازِ فطرت پہ پڑی حکمِ ازل کی مضراب
چونک اٹھا خواب سے کونین کا ہر تارِ رباب

پہنچا جبریل کو یہ خالقِ عالم کا خطاب
کھول دے سورۂ والنجم کی تفسیر کا باب

آج اسرار کے چہرے سے الٹ جائیں حجاب
ظلمتِ ارض کو چمکائے فروغِ مہتاب

تشنہ لبی کی ہر اک شاخ ہو مستِ مئے ناب
جلوہ گر ہوگا کوئی آج برافگندہ نقاب

مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی

دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

باغِ ہستی سے خزاں آج روانہ ہو جائے
ہر روش باغ کی خوشبو کا خزانہ ہو جائے

عامِ سکانِ فلک میں یہ فسانہ ہو جائے
دیدِ محبوب کا مشتاق زمانہ ہو جائے

شرحِ والشمس کی وہ حسن یگانہ ہو جائے
عنبریں زلف میں واللیل کا شانہ ہو جائے

یہ گھڑی بخششِ اُمت کا بہانہ ہو جائے
ہر لبِ شاخ سے جاری یہ ترانہ ہو جائے

مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی

دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

آرزو آج کوئی تشنۂ تکمیل نہ ہو
کارِ انجاحِ مقاصد میں ذرا ڈھیل نہ ہو

اہلِ عالم پہ صعوبات کی تنزیل نہ ہو
رنج کا نام نہ ہو عیش کی تقلیل نہ ہو

زندگی مرگِ مفاجات میں تبدیل نہ ہو
دورِ ایام رُکے وقت کو تعجیل نہ ہو

گل کوئی آج کی شب عرش کی قندیل نہ ہو
غافل آدابِ مدارات سے جبریل نہ ہو

مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی

دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

جاکے پہلے مرے محبوب کی غمخواری کر
خاکِ بطحا میں ادا رسم بہ سرشاری کر

شوق سے جنسِ عقیدت کی خریداری کر
حکم رضواں کو پئے غاشیہ برداری کر

بزمِ ایجاد میں احکامِ طرب جاری کر
کہہ دے گردوں سے نہ اب مشقِ ستمگاری کر

بند اک شب کے لئے طاعتِ سرکاری کر
اُٹھ کے مہماں کی پذیرائی کی تیاری کر

مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی

دل و جان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

آئے جبریلِ امیں سُن کے یہ فرمان شتاب
دیکھا وہ عرش نشیں خاک پہ ہے مائلِ خواب

رُخ روشن پہ تبسم ہے مثالِ مہتاب
جیسے ہو موسم گل میں کوئی غنچہ شاداب

دیکھے آواز جگانا تھا خلافِ آداب
جذبِ باطن نے کئے وا کرم و لطف کے باب

ہنس کے کی عرض کہ ای سرورِ تقدیس مآب
یاد کرتا ہے تمہیں آج خدائے وہاب

مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

وادیِ قدس کا عازم ہوا وہ محرمِ راز — جذبۂ شوق نے پائے پر و بالِ پرواز

اللہ اللہ براقِ نبوی کی تگ و تاز — طے ہوا آن میں وہ مرحلۂ دور و دراز

یک بیک حضرتِ جبریل کی آئی آواز — آ گئے بزم گہِ قرب میں سلطانِ حجاز

سن کے یہ مژدۂ جاں بخش بصد شوق و نیاز — حوریں گانے لگیں بجنے لگا فردوس میں ساز

مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی

دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

کون یہ رشکِ چمن غیرتِ گلزار ہے آج — کس کی خوشبو سے جہاں طبلۂ عطار ہے آج

کون قوسین کی مسند پہ ضیا بار ہے آج — کس کا اقبالِ جہاں غاشیہ بردار ہے آج

کس کی تائید پہ عالم کا مددگار ہے آج — کون نبیوں کی امامت کا سزاوار ہے آج

کس کی تنویر سے آفاق پر انوار ہے آج — ہر سخن سنج کے لب پر یہی گفتار ہے آج

مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی

دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

مسلم دربارِ رسولؐ میں

اے حبیبِ ربِ اکبر اے رسولِ نامدار
واسطے فریاد کے ہیں در پہ حاضر جاں نثار

واقفِ اسرارِ حق اے حامیِ دینِ متیں
مقتدائے انبیاء اے پیشوائے مرسلیں

تیرے اخلاقِ نکو کا مصحفِ رب ہے ثبوت
ہے تری مدحت سرا خود ذاتِ حیٌّ لایموت

آیتِ اِنَّا فَتَحْنَا[۵۱] آئی تیری شان میں
سَوْفَ یُعْطِیْكَ[۵۲] کہا اللہ نے قرآن میں

اے سریر آرائے عالم اے شہہ بیکس نواز
ایک جا بیٹھے تری محفل میں محمود و ایاز

پھیلا ہے عالم میں شہرہ تیرے فیضِ عام کا
تیرے دم سے ہے تر و تازہ چمن اسلام کا

پاک تعلیمات نے تیری بنائے اپنے کام
آہ ہے اب درہم و برہم وہ شیرازہ تمام

روح پھونکی جسمِ مردہ میں ترے اعجاز نے
زندہ عالم کر دیا تکبیر کی آواز نے

---

۵۱ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا (پارہ حٰم ۲۶۔ سورۃ الفتح۔ رکوع ۱) بیشک ہم نے آپ کو ایک کھلی ہوئی فتح دی۔ ۵۲ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (پارہ عم ۳۰ سورۃ الضحیٰ) اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو دیگا اور آپ خوش ہو جائیں گے۔

طالعِ خفتہ بنی آدم کا آیا ہوش میں
سو گیا تھا جو لپٹ کر کفر کے آغوش میں

عقلِ نکتہ سنج کو تھا جس کے حل سے انحراف
کر دیا اک قُل سے اُس سرِّ نہاں کا انکشاف

تھا یہ ادنیٰ معجزہ تیرے دمِ اعجاز کا
بے پروں کو جس نے بخشا تھا شرف پرواز کا

قصر جن کی طرح ڈالی تھی تری تعلیم نے
ان کی بنیادیں ہلا دیں مغربی تعلیم نے

مٹ گئے ہم چھوڑ کر تیرے اصولِ زندگی
بن گئے ننگِ جہاں اور باعثِ شرمندگی

خود پسندی سے ہوئے رسوا سرِ بازار ہم
داد خواہی کو ہیں اب حاضر سرِ دربار ہم

اے سپہ سالارِ اُمت وقت ہے امداد کا
ہم پہ ہے طرفہ ستم ہر بانیٔ بیداد کا

ہے سفینہ اُمتِ مرحومہ کا گرداب میں
ایک ہنگامہ قیامت کا ہے شیخ و شاب میں

ہر رگِ تن غم سے مثلِ ماہیٔ بے آب ہے[1]
جائے دل سینہ کے اندر قطرۂ سیماب ہے

سایہ افگن ہوتا تھا جن کے سروں پر چترِ نور
ہے نکلتی اُن کے سینوں سے اب آہِ ناصبور

جبہۂ ہفت اقلیم کے جن کے سرِ اِن تاج ہوں
اب وہ یوں نانِ شبینہ کے لئے محتاج ہوں

---

[1] نوٹ ۔ قافیوں میں ایطائے خفی ہے تو میرے خیال میں توسیع کے لحاظ سے جائز ہونا چاہئے ۔

جانِ مضطر مثلِ بلبل نالہ کش ہر چند ہے
سنگ دل ہے باغباں اور در قفس کا بند ہے

تھا سروں پر جن کے سایہ ابرِ گوہر بار کا
ہے اب اُن بالانشینوں پہ سحاب ادبار کا

تھے علمبردار جو کل لشکرِ اسلام کے
اب وہ موردہیں جہاں میں گردشِ ایام کے

بزمِ شاہی کے نظاروں کی جو لذت یاب ہیں
اب وہ آنکھیں روز وقفِ گریۂ خوناب ہیں

گرچہ اب ہم میں وہ پہلی سی ادا باقی نہیں
وہ مے و مینا نہیں، مے کش نہیں ساقی نہیں

گرچہ یہ سچ ہے کہ تیری یاد سے بیگانے ہیں
تیری شمعِ دیں کے لیکن آج تک پروانے ہیں

آئے گا کس دن ترا دریائے رحمت جوش میں
لیگا آشفتہ دلوں کو لطف کی آغوش میں

پھر تپش سینہ میں پیدا کر اسی اعجاز سے
برقِ دیرینہ کو تڑپا دے اسی انداز سے

مخفیِ حسرت زدہ اب ختم کر فریاد کو
کر نہ وقفِ ناامیدی یوں دلِ ناشاد کو

اسلامی سالِ نو

مسافت کر کے طے دن بھر کی رُخ خورشید نے پھیرا
فضائے دہر پر ڈالا سکوتِ شام نے ڈیرا

لگائے آ کے پہرے خامشی نے گلستانوں میں
ہوئے راحت گزیں جا کر پرندے آشیانوں میں

لپیٹا روزِ روشن نے رُخ اپنا شب کی چادر میں
کیا تاریکیوں نے آ کے قبضہ بحر اور بر میں

سکوتِ موت آ کر چھا گیا دُنیا کی بستی پر
پڑی شب کی سیہ کفنی[1] بلندی اور پستی پر

چھپے شب کے دھندلکے میں نظر افروز نظارے
زمیں کا دیدۂ حسرت سے مُنہ تکنے لگے تارے

نگاہیں میری اتنے میں فلک کی سیر کر آئیں
پلٹ کر سالِ نو کا مژدۂ فرحت اتر لائیں

مگر یہ بے سبب دل میں درد کیوں رہ رہ کے اُٹھتا ہے
یہ سالِ نو، یہ غمگینی! الٰہی ماجرا کیا ہے

یہ کیوں سیلابِ اشک آنکھوں میں آج اُمڈا سا آتا ہے
یہ قلبِ مضطرب سینہ سے کیوں نکلا سا جاتا ہے

---

[1] کفنی میں فَ متحرک ہے مگر عام بول چال کا لحاظ رکھا گیا ہے ورنہ چادر کا لفظ بآسانی آسکتا تھا۔

یہ کیوں جانِ حزیں کو درد و غم نے آ کے گھیرا ہے
یہ کیا ہے آج جو پہنائے عالم میں اندھیرا ہے

یہ کیا ہے آج گلزارِ جہاں بے رنگ و بو کیوں ہے
یہ شورِ نالہ و فریاد و زاری کو بکو کیوں ہے

فضاؤں پر یہ کیوں افسردگی سی آج طاری ہے
یہ ہر ذرہ کے دل میں آج کیسی بیقراری ہے

گلستانِ جہاں میں گئی کیوں گونج کر نالے
گلوں نے کس کے ماتم میں گریباں چاک کر ڈالے

یہ کس کے غم میں سنبل نے پریشاں کر دیئے گیسو
چمن میں بلبلیں یہ نالہ کش ہیں کس لئے ہر سو

یہ آہوں کے شرارے کیوں سرِ گردوں لپکتے ہیں
فلک کی آنکھ سے کیوں خون کے آنسو ٹپکتے ہیں

یہ کیوں خورشید نے اوڑھی شفق کی سرخ رو چادر
یہ کس کی یاد میں بیٹھا شہیدِ آرزو ہو کر

یہ کیوں اک بیکسی سی ہر طرف عالم پہ چھائی ہے
یہ کیوں چشمِ کواکب آنسوؤں سے ڈبڈبائی ہے

ہلالِ سالِ نو تو ہی بتا تجھ کو ہوا کیا ہے
یہ کس غم میں خمیدہ ہے کمر کیوں زرد چہرا ہے

بتا وہ کونسی افتادِ قسمت نے دکھائی ہے
جو تو نے اپنی ایسی ماتمی صورت بنائی ہے

نہاں ہے یادِ ایامِ سلف کی تیری سینے میں
نقوشِ عہدِ ماضی ہیں ابھی دل کے نگینے میں

نکلتا تھا فلک پر جب بصد شانِ خود آرائی
تو اک عالم ترے جلوہ کا ہوتا تھا تماشائی

وفورِ شوق میں ہر آنکھ محوِ دید ہوتی تھی — تری آمد زمانہ کو نویدِ عید ہوتی تھی

گلستانِ جہاں میں تیری آمد سے بہار آتی — ترے پردہ میں گویا رحمتِ پروردگار آتی

سکونِ قلبِ مضطر تھا تری صورت کا نظارہ — تری آغوشِ الفت تھی ہمیں عشرت کا گہوارہ

ترے دامن میں سوئی قسمتیں بیدار ہوتی تھیں — تری پرتو سے غم کی ظلمتیں ضو بار ہوتی تھیں

مگر یہ آہ کیسا انقلابِ دہرِ فانی ہے

کہ اب تیرا تصوّر ہی پیامِ نوحہ خوانی ہے

مجھے جب اُس نے دیکھا رازِ سوز و درد کا جویا — دلِ پُرغم سے کھینچی آہ اور پھر یوں ہوا گویا

یہ وہ بارِ الم ہے جو اُٹھایا جا نہیں سکتا — جو دل میں ہے زباں پر آہ لایا جا نہیں سکتا

شکستہ ہے دلِ غمدیدہ بے طاقت زباں اپنی — سُنائے کون اب تم کو یہ پُرغم داستاں اپنی

دبا رہنے دو سینہ میں مرے سوزِ نہاں میرا — لحد میں ساتھ میرے جائیگا اندوہِ جاں میرا

نشاط انگیز دل غم کا نشانہ رہ گیا ہوکر — میں اب آپ اپنی ہستی کا فسانہ رہگیا ہوکر

سراپا درد ہوں تلخی کشِ جورِ تمنا ہوں — زمانہ جس پہ روتا ہے وہ ناکامِ تمنّا ہوں

بھلا کس کو مجالِ گفتگو ہے حکمِ قدرت میں　　ازل کے دن لکھی تھی نوحہ خوانی میری قسمت میں

سمجھے کیا گریۂ غم مجھ الم اندوزِ ہستی کا　　کہ میں نے پایۂ رفعت سے منہ دیکھا ہے پستی کا

مری راحت کا ساماں میری قسمت نے مٹا ڈالا　　ستم کی بجلیوں نے خرمنِ ہستی جلا ڈالا

ہوا ہوں خانماں برباد ایسا بزمِ ہستی میں　　قلق آباد ہے جائے مسرت دل کی بستی میں

یکایک ہو گیا برگشتہ بختِ نارسا میرا　　نہ جانے ہو گیا ناراض کیوں مجھ سے خدا میرا

بجھایا بادِ صرصر نے چراغِ آرزو میرا　　اجاڑا راہزنوں نے مل کے باغِ آرزو میرا

مری عشرت کا ساماں حسرت و آلام نے لوٹا　　جفائے چرخ نے اور گردشِ ایام نے لوٹا

کبھی میں بھی تھا چرخِ دولت و عظمت کا سیارہ　　مگر اب ہوں شبِ تاریکِ دردِ غم میں آوارہ

کیا گردش نے پامالِ خزاں جب سے چمن میرا　　میں اک در ماندۂ منزل ہوں غربت ہے وطن میرا

بتاؤں کیا مری قسمت نے جو مجھ کو دیے چرکے　　لگا دی آگ گھر میں خود چراغوں نے مرے گھر کے

مرقع میری ناکامی کا وہ اندوہ گیں منظر　　وہ حسرت خیز، عبرت ناک، حیرت آفریں منظر

زمانہ کو جو عبرت کا سبق ہر سال دیتا ہے　　وہ حسرت خیز نظارہ مری آنکھوں نے دیکھا ہے

بشر کی معصیت کوشی و غفلت میں نے دیکھی ہے
محمدؐ کے نواسے کی شہادت میں نے دیکھی ہے

وہ جس کے نام سے ہی عزت و توقیر دنیا کی
وہ خورشیدِ درخشاں جس سے ہے تنویر دنیا کی

وہ جس کے نور نے عالم منور کر دیا سارا
حسینؓ ابنِ علیؓ، خاتونِ جنتؓ کا جگر پارا

جلال و دبدبہ ہیں حیدرِ کرار کی صورت
وہ ظاہر اور باطن احمدؐ مختار کی صورت

وہ جس کے روئے انور کے ہیں مہر و ماہ شیدائی
وہ ہستی جس نے آغوشِ نبیؐ میں پرورش پائی

قسم کھاتا ہے جس کے صبر کی پیرِ فلک اب تک
ہیں جس کے آستانے پر جبیں گستر ملک اب تک

کیا شاداب اپنے خون سے جس نے نخلِ ایماں کو
سبق عزم اور ہمت کا دیا جس نے مسلماں کو

یہ صورت ماتمی ہے اس حجازی شاہ کی خاطر
کٹا یا سر کو اپنے جس نے دین اللہ کی خاطر

حق و باطل کی آویزش کا جب ہنگام آپہنچا
شہادت کا رہِ مولیٰ میں جب پیغام آپہنچا

اُٹھا کر ہاتھ صبر و استقامت کی دعا مانگی
خدا سے فضل و توفیق و ہدایت کی دعا مانگی

گئے رخصت طلب کرنے کو پھر قبرِ پیمبرؐ سے
یہ فرمایا لپٹ کر روضۂ محبوبِ داور سے

مجاور آپ کا راہِ خدا میں سر کٹاتا ہے — وطن سے حق صداقت کا ادا کرنے کو جاتا ہے

زمانہ منحرف ہے وقت کا تیور بگڑتا ہے — حسینؑ اب مرقدِ سرکارِ عالی سے بچھڑتا ہے

ہوا رخصت حرم سے جب شہِ کونینؐ کا پیارا — نہ پوچھو اُف وہ کیسا تھا قیامت خیز نظارا

زمیں سے آسماں تک تھا بپا محشر کا ہنگامہ — اُڑائی خاک اِس نے اُس نے پہنا ماتمی جامہ

غرض کچھ جاں نثاروں او عزیزوں کی معیت میں — جگر بندِ پیمبرؐ آیا میدانِ شہادت میں

زمینِ کربلا کو یاد اب تک وہ فسانہ ہے — اِدھر کچھ حق کے شیدائی اُدھر سارا زمانہ ہے

بیاباں میں ہے استادہ حسینِؑ پاک کا خیمہ — وہ تپتی ریت اور آلِ شہِ لولاکؐ کا خیمہ

وہ خوں آشام شمشیریں غضب کے تیر بھالے ہیں — بلا کی پیاس، جلتی ریت اور زہراؓ کے پالے ہیں

اٹھائیں تین دن تک سختیاں تشنہ دہانی کی — نہ تھی ساقیِ کوثر کے لیے اک بوند پانی کی

شبِ عاشور جب گزری قیامت کی سحر آئی — گریباں چاک کرتی سینہ زن اور نوحہ گر آئی

اگرچہ لشکرِ باطل کی ہر جانب سے کوشش تھی — تعالی اللہ پائے عزم کو لیکن نہ لغزش تھی

نہ ٹوٹی کون سی بیداد مظلوموں کی جانوں پہ — مگر تھا کلمۂ حق آخری دم تک زبانوں پہ

فدا اولاد و جان و مال کرکے راہِ مولا میں — کیا رسمِ خلیل اللہ کو پھر تازہ دنیا میں

بلا دُنبہ نے ٹالی تھی ذبیح اللہ کے سر کی — یہاں میداں میں قربانی ہی ہم شکل پیمبر کی

مقابل میں ہوئی جب فوجِ باطل کی صف آرائی — ہوئے تیار لڑنے پر بھتیجے، بھانجے، بھائی

سجے ہیں جسم پر ہتھیار گردن کو جھکائے ہیں — حضورِ شاہِ دین ابنِ حسنؑ رخصت کو آئے ہیں

نہ تھی سبطِ نبیؐ سی قاسمِ مظلوم کی رخصت — زمانہ سے تھی گویا سیّدِ مسموم کی رخصت

غرض میداں میں زورِ شجاعت اپنا دکھلاکے — سنان و خنجر و تیغ و تبر کے زخم کھا کھا کے

علیِؑ مرتضیٰ کو منتظر پا کر لبِ کوثر — سدھارا تشنہ لب فردوس کو لختِ دلِ شبّر

تصدّق سر پہ ہونے کو جوانی کی بہار آئی — عروسِ نو کی صورت میں شہادت کی پکار آئی

لٹی ان ظالموں کے ہاتھ سی دولت برادر کی — ہوئیں کلیاں بھی پامالِ خزاں گلزارِ خواہر کی

اُٹھا کر مشک کاندھی پر چلے جو بہرِ سقّائی — شہادت نہر پر جاکر علمبردار نے پائی

عزیزانِ گرامی ہو گئے سب خُلد کو راہی — شریکِ درد و غم باقی رہی اک شہ کی تنہائی

پھر اکبر نے اجازت سیّدِ ذی شان کی چاہی — جُھکا کر سر کو قدموں پر رضا میدان کی چاہی

ہیں قرباں صبر و استقلال پر شاہِ حجازی کے
سجائے جسم پر ہتھیار خود فرزندِ غازی کے

محمدؐ کی رضا۔ خوشنودیِ ربِّ عُلےٰ مانگی
پھر اُس کے حق میں خالق سے شہادت کی دُعا مانگی

پکڑ کر ہاتھ کو خیمہ میں مادر کے قریں لائے
زباں سے کلمۂ صبر و رضا تلقین فرمائے

حقِ خدمت گزاری شاہ کی ہمشیر نے بخشا
پسر کو دودھ کا حق بانوئے شبّیر نے بخشا

چلا شانوں پہ اپنے کاکلِ عنبر فشاں ڈالے
فلک کہتا تھا ہیں ماہِ دو ہفتہ کے قریں ہالے

بڑھا وہ شبہِ صولت حیدرؓ کرّار کی صورت
عیاں تھی اُس کے رُخ سے احمدِ مختار کی صورت

ضیائے رُخ سے ذرّے کربلا کے جگمگاتے تھے
چمک کر مہرِ انور کو بھی آئینہ دکھاتے تھے

سدھارا جنگ کے میداں کو جب ہمشکلِ پیغمبرؐ
برہنہ سر۔ جگر تھامے ہوئے۔ پیچھے چلے سرور

لعینوں میں جو شہ کا یوسفِ ثانی نظر آیا
قضا چلائی لو مرنے کو وہ رشکِ قمر آیا

کیا جامِ شہادت نوش جب فرزندِ غازی نے
کیا شکرِ خدا اس دم شہنشاہِ حجازی نے

اگرچہ سامنے ہی شیر خوار اصغر نے دم توڑا
مگر صبر و توکّل کا نہ دامن شاہ نے چھوڑا

دکھا کر دو پہر تک ظالموں کو اپنی جانبازی
نثارِ دینِ بیضا ہو گئے اللہ کے غازی

بالآخر جنگ کو میداں میں شاہِ نامدار آئے — جلو میں مرتضیٰؓ و فاطمہؓ پروانہ وار آئے

جلالِ حیدری سے معرکہ آرا ہوئے آکر — تہ و بالا ہوا اک دم ستم آراؤں کا لشکر

مگر کب تک اٹھاتی بار یہ انسان کی طاقت — ادھر اک بیکس و تنہا ادھر لاکھوں کی جمعیت

رہا زخموں کی کثرت سے نہ جب یارا تن و جاں میں — جھکایا سر کو سجدہ کے لئے درگاہِ یزداں میں

جبینِ سجدہ ریز اس کی درِ مولا پہ افتادہ — ادھر اعدائے دیں تھے قتل پر سیّد کے آمادہ

جھکایا سر جو سجدہ میں شہنشاہِ معظّم نے — تو فرمایا فرشتوں سے خداوندِ دو عالم نے

نہ چھوڑا حق کو۔ شانِ استقلال اسکو کہتے ہیں — کٹایا سر کو سجدہ میں نمازی اسکو کہتے ہیں

مرے دریائے وحدت کے شناور ایسے ہوتے ہیں — تہِ خنجر ادائے حق کے یاور ایسے ہوتے ہیں

غرض تاراج اعدا نے کیا زہراؓ کے گلشن کو — بجھایا آہ! دینِ مصطفےٰ کی شمعِ روشن کو

نمونہ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا شقاوت کا — سرِ نیزہ کیا تھا یہ سر سردارِ جنّت کا

جفا وہ کون سی تھی جو لعینوں نے اٹھا رکھی — ستم ہے! بے ردائی آلِ اطہر کی روا رکھی

مگر اس پر بھی چین آیا نہ افواجِ ستم گر کو — پھرایا کو بکو بے پردہ، ناموسِ پیمبر کو

یہ سب منظر نگاہوں میں ہی آباد ہیں اب تک
یہ خونیں داستانیں میرے دل کو یاد ہیں اب تک

ہوا ویران جب سے سبطِ پیغمبر کا کاشانہ
ہوا لبریزِ غم اُس دن سے میرے دل کا پیمانہ

ارضِ کربلا کی زاری - جوابِ ایزدِ باری

برائے نصرتِ حق نائبِ محبوبِ رب نکلا
شفق میں ڈوبنے کو مہرِ سلطانِ عرب نکلا

بھرا شوقِ شہادت سے جو تھا قلبِ شہِ والا
چلا دشتِ بلا کو فاطمہؑ کی گود کا پالا

برائے امتحاں جس دم پکارا ربِّ عزّت نے
کہا لبیک بڑھ کر نائبِ ختمِ رسالت نے

چلے بے فوج، بے لشکر کے حجّت کی تمامی کو
پئے خوشنودیِ معبود تیغوں کی سلامی کو

لئے ہمراہ اپنے کچھ عزیزوں کی جماعت کو
توکل پر کئے تکیہ بڑھے حق کی حمایت کو

معیّت میں فقط خُرد و کلاں ہفتاد تن نکلے
ستاروں کی طرح گرد اُس قمر کے حلقہ زن نکلے

سدھارے گھر سے وہ حق و صداقت کا نشاں لیکر
چلے مقتل کی جانب دل میں شوقِ امتحاں لیکر

نہ ملبوسِ شہانہ میں، نہ فوجی آن سے آئے | مسلح ہو کے مقتل میں نرالی شان سے آئے

جمالِ دل رُبا میں منظرِ اعجاز تابندہ | نشانِ سجدۂ حق سے جبینِ پاک رخشندہ

دلِ آگاہ وہ آیاتِ قرآنی کا گنجینہ | مکمل سرگزشتِ ملّتِ بیضا کا آئینہ

مجسم بازوؤں میں حیدری شمشیر کی طاقت | لبِ مُعجز نما میں فاطمہؓ کے شیر کی طاقت

سرورِ بادۂ توحید کی آئینہ دار آنکھیں | تمنّائے شہادت میں سراپا انتظار آنکھیں

تنِ اطہر کی زینت، جامہ صبر و استقامت کا | ردائے فقر اس کی نازشِ ملبوسِ شاہانہ

قبائے زہد و تقویٰ قامتِ زیبا کی زیبائش | زرہ صبر و توکّل کی، تنِ اطہر کی آرائش

نظر میں جلوہ گر وہ شان عزم و استقامت کی | بنی زیبِ کمر پیٹی صداقت اور ہمّت کی

رکھا تاجِ امامت فرقِ شہ پر ربِّ عزّت نے | سجائی سر پہ دستارِ فضیلت دستِ قدرت نے

چلو میں حق کی توفیق اور ہدایت جھُومتی آئی | قدم سبطِ پیمبرؐ کے شہادت چُومتی آئی

چلے راہِ خدا میں نذرِ جان و مال کرنے کو | قضا کا خندہ پیشانی سے استقبال کرنے کو

وہ تسلیم و رضا کے دن نیاز و راز کی راتیں | کٹیں یادِ خدا میں شاہِ سرافراز کی راتیں

غرض تیار ہو کر مرضیٔ معبود کی خاطر
ہوئے آکر فروکش منزلِ مقصود پہ آخر

لگایا نونہالانِ نبی نے خاک پر ڈیرا
بسا خوشبو سے ان لالہ رخوں کی دامنِ صحرا

جو سرکایا نقابِ رخِ نبیؐ کے مہرِ انور نے
لگا خورشیدِ خاور سورۂ والشمس دم کرنے

بہارِ حسن بنکر سبطِ محبوبِ خدا نکلے
ضیائے رخ سے ذرّے کربلا کے جگمگا نکلے

مۂ برجِ رسالت کے جگر پاروں سے ضو پائی
بنی وہ سرزمینِ پاک رشکِ چرخِ مینائی

ہوئے جب گامزن راہِ رضا کی پہلی منزل میں
نہ چھوڑا ماسوا کی خواہشوں کا شائبہ دل میں

مثالِ کوہ آہن ڈٹ گئے نقشِ وفا بنکر
ہوئے مشغول یادِ حق میں تصویرِ رضا بنکر

سحر تھی ساتویں، جب کی عمر نے لشکر آرائی
گلستانِ رسالت پر مظالم کی گھٹا چھائی

ستمگر نے یہ کی پہلی جفا پہلے لڑائی سے
ہٹایا خیمۂ آلِ پیمبر کو ترائی سے

بڑھایا ہاتھ خشکی کی طرف جب اس ستمگر نے
سوئے افلاک دیکھا یاس سے سبطِ پیمبر نے

جو پایا شہ نے اعدا کو برائے جنگ آمادہ
کیا ریتی پہ اپنا خیمۂ پُر نور استادہ

نہ رکھا پاس پیغمبر کی خاطر کا کمینوں نے
کیا سبطِ نبیؐ پر بند پانی ان لعینوں نے

بالآخر آ گئی وہ رات پہنے ماتمی جامہ
کہ جس کی صبح میں پوشیدہ تھا محشر کا ہنگامہ

گرائے خون کے آنسو فلک سے چشمِ کوکب نے
فراقِ شاہ میں گیسو بکھیرے لیلیٔ شب نے

غمِ شاہِ زمن میں پیکرِ غم بن گئی دنیا
صدائے العطش سے شورِ ماتم بن گئی دنیا

جگر کا خون آنکھوں سے لگا افلاک کی بہنے
بنے تھے پیکرِ حسرت لباسِ ماتمی پہنے

فضاؤں پر ہوا اک عالمِ افسردگی طاری
بجائے آب، خوں شبنم کی چشمِ تر سے تھا جاری

نہ جھپکی چشمِ انجم کی جمالِ یار کی خاطر
زمیں کو تک رہی تھی آخری دیدار کی خاطر

غروبِ مہرِ دیں جس کی تجلی میں ہویدا تھا
قمر کے داغِ دل میں اس سحر سے درد پیدا تھا

شبِ آخر جو دیکھی زندگی کی اپنی سرور نے
کیا قصدِ عبادت رہبرِ دینِ پیمبر نے

بچھا کر خیمۂ اطہر کے اندر اپنا سجادہ
ہوئے درگاہِ مولیٰ میں بروئے خاک افتادہ

لگا رو رو کے کرنے ابرِ رحمت گوہر افشانی
ہوئی پیدا زمیں کی آنکھ سے اشکوں کی طغیانی

سپاسِ ذاتِ حق کر کے ادا عجز اور زاری سے
لگی رو رو کے کرنے التجا یوں ذاتِ باری سے

خداوندا عیاں تجھ پر ہے سب حالِ زبوں میرا
خجالت سے گریباں میں نہ ہو کیوں سرنگوں میرا

مرا مہمان بنکر راکبِ دوشِ رسول آیا ... بنانے خاک کو اکسیر فرزندِ بتولؓ آیا

گل اندامِ محمدؐ دھوپ میں جل جل کے آیا ہے ... مدینہ سے برائے نصرتِ حق چل کے آیا ہے

یہ کی ان ظالموں نے فاطمہؓ کے لال کی خاطر ... اُٹھیں تیغیں ستمگاروں کی استقبال کی خاطر

ہوئی ہیں جمع فوجیں قصرِ ایماں کے گرانے کو ... اُٹھے ہیں ابرہہ بنکر ستونِ کعبہ ڈھانے کو

ہوائے نفسِ شیطانی کو سر کا تاج کرتے ہیں ... ہوس میں زر کی باغِ فاطمہؓ تاراج کرتے ہیں

مزارِ مصطفیؐ کے زائروں کی قدر یہ جانی ... ہوئی آبِ دمِ شمشیر سے پیاسوں کی مہمانی

جہازِ اہلِ بیتِ مصطفیؐ پر آفت آئی ہے ... بیاباں میں ترے محبوب کی لٹتی کمائی ہے

محمدؐ کے خلف پر ہیں ستم تشنہ دہانی کے ... بہا دے میری ان آنکھوں سے چشمے آج پانی کے

خدا کے قہر سے ڈرتے نہیں بیداد کے بانی ... خلف کو ساقیِ کوثر کے یہ دیتے نہیں پانی

نہیں ہے عزم میں کچھ فرق گو دشمن زمانہ ہے ... ہوئے ہیں تین دن یہ قافلہ بے آب و دانہ ہے

اُدھر اعدائے دیں مشغول ہیں دیں کی تباہی میں ... اِدھر مصروف ہر موئے بدن یادِ الٰہی میں

اُدھر سر تن سے سید کا جدا کرنے کی تیاری ... اِدھر ہونٹوں پہ توفیقِ شہادت کی دعا جاری

اُدھر قرنا ہے گوشِ آسمانِ پیر بھی کر ہے — اِدھر وردِ زباں بس نعرۂ اللہ اکبر ہے

وہ جس کو آرزو ہے نام پر خالق کے مرنے کی — ہوس ہے دل میں اقلیمِ شہادت فتح کرنے کی

ترے پیغام کی عظمت پہ سر دینے کو حاضر ہے — پئے تکمیلِ ایماں اپنا گھر دینے کو حاضر ہے

عطش سے نیم جاں معصوم اصغر اور سکینہ ہے — رضا پر تیری راضی پھر بھی سلطانِ مدینہ ہے

میں سو جاں سے تصدق اُس کی اِس ذرہ نوازی کے — نرالے ہیں مگر انداز تیری بے نیازی کے

گوارا ہے تجھے تکلیف کیوں اُس ماہ پیکر کی — ملا جس کو شرف معراج سے دوشِ پیمبر کی

محبت جس کی بامِ قصرِ ایمانی کا زینہ ہے — یہی وہ زینتِ آغوشِ سلطانِ مدینہ ہے

بہارِ روح افزائے گلستانِ رسالت ہے — اِسی کے دم سے روشن شمعِ ایوانِ رسالت ہے

بلاکش خانماں برباد ہے، بھوکا ہے پیاسا ہے — مرے آقا ترے محبوب کا پیارا نواسا ہے

پڑے ہیں آ کے میری خاک پر افسردہ دل ٹوٹے — محمد مصطفیٰ ؐ کے گلشنِ ہستی کے گل بوٹے

مصیبت ایسی دنیا میں نہ آئی ہے نہ آئے گی — خبر کیا تھی مجھے قسمت یہ روزِ بد دکھائے گی

پریشاں ہوں گے زہرا کے گلِ تر میرے سینے پر — بہے گا خونِ اولادِ پیمبر میرے سینے پر

گروہِ اشقیا کل خیمۂ اطہر کو لوٹے گا یہ داغِ روسیاہی میرے دامن سے نہ چھوٹیگا

قیامت تک نہ پھر دنیا میں یہ جور و جفا ہوگی مری سرحد میں گُل شمعِ مزارِ مصطفیٰؐ ہوگی

شرف حاصل ہے تیرے نور کا جن کی جبینوں کو پھرائیں گے عدو بے پردہ ان محمل نشینوں کو

کریں گے قتل مجھ پر اشقیا جب اس گلِ تر کو دکھاؤنگی میں کیا منھ جا کے اُس کے جدِّ اکبر کو

جو تر ہوگا یہ دامن گریۂ خاتونِ جنت سے رہوں گی حشر میں محروم فیضِ ابرِ رحمت سے

مری گردن پہ خونِ پادشاہِ تشنہ لب ہوگا جہاں میں مقتلِ آلِ عبا میرا لقب ہوگا

نہ بہنے دے مرے دامن پہ خون شاہِ ذیشاں کو بچا لے میرے داماں کو بچا لے میرے داماں کو

جبینِ کربلا خم ہوگئی پھر خوفِ داور سے ندا آئی یکایک پیش گاہِ ربِّ اکبر سے

کیا پژمردہ حورانِ جناں کو تیری زاری نے رُلایا ساکنانِ آسماں کو تیری زاری نے

نہ ہو آزردہ خاطر اہلِ کیں کی چیرہ دستی سے بھلا کیا زیر ہو سکتا ہے حق باطل پرستی سے

مٹا سکتی ہے سطوت کفر کی ایماں کی طاقت کو؛ دبا سکتا ہے سحرِ سامری موسیٰ کی شوکت کو

زمانہ کو کرشمہ اپنی قدرت کا دکھاتے ہیں ہم اِس کا صبر اُن کے ظلم کی حد آزماتے ہیں

شہادت میں نہاں ہیں اس کی اسرارِ اسلامی
صداقت کی جہانگیری، اطاعت کی فراوانی

مبارک ہو کہ بخشے گا قدم اس ذاتِ اطہر کا
ترے ہر ایک ذرہ کو شرف خورشیدِ انور کا

رہے گا تا قیامت مہبطِ انوار یہ گلشن
زیارت گاہِ خاص و عام کی ہو گا ترا دامن

ملے گا اس کے خونِ پاک سے یہ مرتبا تجھ کو
عقیدت سے کہے گا اک جہاں خاکِ شفا تجھ کو

ترے شیدا دلِ آلودہ کو گردِ کدورت سے
کریں گے صاف دھو کر گریۂ چشمِ عقیدت سے

رہے گی سایہ افگن تجھ پہ رحمت ربِّ کعبہ کی
ملے گی ہم نشینی تیرے در کو ارضِ بطحا کی

سبب ہے جس کے خود، کانِ امامت نے شرف پایا
نہاں ہو گا ترے دامن میں وہ گنجِ گراں مایہ

لہو اس کا سند ہو گا۔ صداقت پر مسلماں کی
کرے گا تا قیامت آبیاری نخلِ ایماں کی

وہ جس کا عزم تاریکی کو دم میں نور کر دے گا
فجور و فسق کو اسلام سے کافور کر دے گا

بھرے گا ہستیٔ انساں کے پیمانہ میں خودداری
بنے گا صدق اس کا حق میں باطل کے نگوں ساری

یہ تشنہ لب وہ ساقی ہے کہ جس کا فیض میخانہ
کرے گا بادۂ وحدت سے پُر عالم کا پیمانہ

مدد کو سیدِ مظلوم کی اللہ کافی ہے
حقیقت میں شہادت اس کی اک شکلِ تلافی ہے

خدا نے اپنی جو جو نعمتیں کُل انبیا کو دیں
وہ ساری نعمتیں یکجا محمد مصطفیٰؐ کو دیں

زمانہ کی امامت کے لئے بھیجا انہیں حق نے
دو عالم کے لئے رحمت کیا خلاقِ مطلق نے

مشیّت تھی کہ ہو محبوب پر اتمام نعمت کا
رہے باقی نہ درجہ کوئی عزّ و شان و عظمت کا

ہو فائز ہر فضیلت پر سوا اوجِ شہادت کے
کہ ظاہر میں یہ رتبہ تھا منافی شانِ بعثت کے

اگر یہ منصبِ عالی وہ شاہِ انس و جاں پاتا
حریفوں سے سرِ سردارِ عالی زیر ہو جاتا

ہوا منظور تب اُن کے نواسے کو یہ عزت دیں
زمانہ بھر کو جس پر ناز ہو ایسی شہادت دیں

رہے جب تک جہاں آباد اور اسلام باقی ہو
شہیدوں کی صفِ اوّل میں اس کا نام باقی ہو

مرثیہ شہادت سیّدنا حضرت امام حسین علیہ السلام

جب کربلا میں لُٹ گئی بیٹی رسول کی
برقِ ستم سے جل گئی کھیتی بتولؑ کی

گھر دے کے نذرِ مرتضیٰ مولا حصول کی اور نذر سیدہ کی خدا نے قبول کی

جس دم شفق میں دین کا خورشید آ گیا

ارض و سما پہ ایک اندھیرا سا چھا گیا

تاراج ہو چکا چمنِ شیر کردگار پروانے سارے شمع ہدیٰ پر ہوئے نثار

تھے پھول زینبؑ بیکس کے گلعذار مسلم کے لال شاہِ ولایت کے شہسوار

اکبر شبیہ خواجۂ بدر و حنین کی

وہ نو دمیدہ ننھی سی کونپل حسینؑ کی

عہدِ وفا کی راہ گذر سے گذر گئے سیلاب میں لہو کے نہا پار اُتر گئے

میدانِ کارزار میں سینہ سپر گئے اسلام کی جو شان ہے وہ کام کر گئے

اب رن کو کوچ ہے پسر بوتراب کا

ہوتا ہے گل چراغ رسالت مآب کا

ہے یہ حسینؑ دوشِ محمدؐ کا شہسوار ہے یہ حسینؑ گلشنِ زہراؑ کا گلعذار

ہے یہ حسینؑ شیرِ الٰہی کی یادگار ہے یہ حسینؑ ملتِ بیضا کا تاجدار

وہ گل کھلا جو گلشنِ شاہِ حجاز میں

جس پر درود فرض ہے پڑھنا نماز میں

جانِ علیؑ، بتولؑ کا دل اور نبیؐ کا چین روحِ عرب، عجم کی ضیاء، شاہِ مشرقین

وہ تین دن کی پیاس کا مارا ہوا حسینؑ خود ساقی اور ساقیٔ کوثر کا نورِ عین

رن کو چلی سواری جو اس دل ملول کی

آئی صدا یہ دشت سے بنتِ رسول کی

اے تشنہ لب، فرات کے مہمان الوداع سوکھی ہوئی زباں کے میں قربان الوداع

اے مرتضیٰؑ و فاطمہؑ کی جان الوداع اے گلشنِ رسولؐ کے ریحان الوداع

ٹھہرو کہ روحِ فاطمہؑ تم پر نثار ہو

بیلوں بلائیں پہلے، تو رن کو سوار ہو

مجرے کو ماں کے جلد جھکا فاطمہؑ کا لال کی عرض پھر، حضور نے آ کر کیا نہال

الفت ہماری کم کرو اب بہرِ ذوالجلال　　　اور بدلے پیار کے یہ خدا سے کرو سوال

خنجر تلے حسینؑ نہ میرا ملول ہو

یارب مرے پسر کی شہادت قبول ہو

یہ کہہ کے ایڑ دی فرسِ تیز گام کو　　　نظریں پھریں تو دشت میں دیکھا امام کو

تیغوں نے دی سلامی شہِ تشنہ کام کو　　　آئی شہادت چومنے شہ کی لگام کو

روحِ بتولؑ رہ گئی دل اپنا تھام کے

بطحیٰ کا چاند چھپ گیا بادل میں شام کے

نوحہ

چھوٹا وہ گلِ بستانِ نبی جب یثرب کے گلزاروں سے

مجروح ہوئے سب غنچہ و گل فرقت میں الم کے خاروں سے

وہ مہرِ عرب، وہ ماہِ عجم رخصت کو گیا جب سوئے حرم

آوازِ سلامی آتی تھی خود کعبہ کی دیواروں سے

زردی سی افق پر چھائی ہے، رُخ دشتِ بلا کا طلائی ہے

پائی یہ ضیا یہ تابانی زہرؑا کے قمر اور تاروں سے

ہو کیوں نہ گلستاں خاک بسر، کیوں چاک نہ ہوں غنچوں کے جگر

محروم ہو جب گلزارِ جہاں ہم شکلِ نبیؐ کی بہاروں سے

ہے جن پہ فدا گل پیرہنی، کھاتی ہے قسم نازک بدنی

یہ کون مجاہد لڑتے ہیں دو ننھی سی تلواروں سے

خاتونِ جناں کی کمائی ہے جو راہِ خدا میں لٹائی ہے

مقتل کو گئے ہیں تشنہ دہن موڑے ہوئے منہ گہواروں سے

سب شاہ کے یاور بیت چکے، ایمان کی بازی جیت چکے

اب راکبِ دوشِ محمدؐ کی رخصت ہے جگر افگاروں سے

یہ دلبرِ شیرِ الٰہی ہے جو جانبِ میداں راہی ہے

آسان نہیں بچنا سفّاکو، فرزندِ علیؑ کے واروں سے

جب رن میں مجاہد لڑتے ہیں یوں نامِ خدا پر اڑتے ہیں
شمشیرِ علیؓ جب چلتی تھی آتی تھی صدا جھنکاروں سے

اِس سمت ہے حق کی سلطانی، باطل کی اُدھر ہے طغیانی
یاں صبر و رضا سے مطلب ہے، واں کام فقط ہتھیاروں سے

وہ زینتِ اوجِ عرشِ علا جب فرشِ زمیں سے زمیں پہ گرا
خورشیدِ امامت ڈوب گیا غُل اُٹھا فلک کے کناروں سے

بکھرے ہوئے گیسو خاک بسر، تھی رن میں یہ شانِ پیغمبرؐ
جب زہراؓ کا وہ رشکِ قمر کرتا تھا وغا غداروں سے

ہر چند تھے گریاں زخمِ جگر تصویرِ رضا تھا دلِ مضطر
گو چور تھے سب اعضائے بدن، شکوہ نہ کیا غم خواروں سے

تھا ماتمِ شاہ بہشتوں میں، تھا شورِ گریہ فرشتوں میں
تاراج ہوا احمدؐ کا چمن جب امت کی تلواروں سے

باطل کو مٹانا چاہے اگر دے بڑھ کر حق کی راہ میں سر

مخفیؔ یہی آواز آتی ہے خاصانِ خدا کے مزاروں سے

قطعہ

سنتا ہے وہ تشنۂ دوام افسانۂ ہستی
ڈرتا ہے کہ چھلک جائے نہ پیمانۂ ہستی
آغاز کی تھی فکر نہ انجام کی پروا
مجھ سا بھی نہ ہوگا کوئی بیگانۂ ہستی

اصلاحیات

ترانہ

افلاک و عرش و کرسی لوح و قلم ہمارا
تسنیم و خلد و کوثر باغِ ارم ہمارا

آفاق کی فضا میں لہرا علم ہمارا
تھا ماہ و کہکشاں کے سر پر قدم ہمارا

گردوں سے کوئی پوچھے جاہ و حشم ہمارا

ہم غازیانِ ملت اسلام کے فدائی
فطرت کا اپنی جوہر شمشیر آزمائی

اونچی فلک سے اپنی پرواز کی رسائی
کی سرکشوں نے گر کر قدموں پہ جبہہ سائی

سب آزما چکے ہیں وہ دَم وہ خم ہمارا

ملت کی آرزو ہم مذہب کی آبرو ہم
عقل گرہ کشا کے دامن کا تار و پو ہم

گلہائے گلستانِ وحدت کا رنگ و بو ہم
دریائے سرمدی کے ساحل کی جستجو ہم

لیتے ہیں نام ادب سے اہلِ ہمم ہمارا

اللہ کیا کشش تھی اس گل کی سادگی میں
اک روح جس نے پھونکی دنیا کی زندگی میں

چمکا تھا نور جس کا گیتی کی تیرگی میں
ہم نے خدا کو پایا تھا جس کی بندگی میں
ہم اس کے اور وہ ہے درمانِ غم ہمارا

تیروں کی باڑھ اپنے سینوں پہ سہنے[1] والے
اسلام کا سفینہ طوفاں میں کھینے والے
تیغوں کا کام زورِ بازو سے لینے والے
دربارِ ایزدی میں سرنذر دینے والے
یہ شان تھی ہماری یہ تھا بھرم ہمارا

دریا کی رَو میں ڈالا جب رخشِ تازہ دم کو
نصرت نے بڑھ کے چوما رہوار کے قدم کو
توڑا اطرابلس میں تیغِ دو دم کے دم کو
عزم و ثباتِ دشمن رخصت ہوا عدم کو
فتح و ظفر کا ضامن تھا دم قدم ہمارا

گونجی صدائے حق جب ارما کی سرزمیں میں
باطل نے منہ چھپایا شرما کے آستیں میں
آئی کوئی شکن گر ایمان کی جبیں میں
جا کر بنی وہ خنجر دلہائے منکریں میں
لوہا نہ مانتے کیوں اہلِ ستم ہمارا

عہد وفا کو لے کر سایہ میں تقنطو کے
چھکے چھڑا دیئے ہیں میدان میں عدو کے

[1] سہنے اگرچہ لینے دینے کا قافیہ نہیں لیکن مجبوراً ڈالنا پڑا۔

دامن کو اپنے دھو کر سیلاب میں لہو کے
آتے تھے جب نکل کر رزم غہ سے جنگجو کے

مُنہ ہنس کے دیکھتی تھی تیغ دو دم ہمارا

اسلام کا پیام مسلمانوں کے نام

فکر کی ندرت ارادوں کی جوانی کیا ہوئی
دست مسلم تیرے خنجر کی روانی کیا ہوئی

اے سکوت مستقل وہ گل فشانی کیا ہوئی
اے مسلمان صولت صاحبقرانی کیا ہوئی

جس کا وہ آغاز تھا اب اس کا یہ انجام ہے

اے سپوتو قوم کے غیرت اسی کا نام ہے

زنگ تلواروں کی دھاروں پڑ ڈھالیں لگا کر
غم سے نیزوں کی کمر خم سرنگوں خنجر کی دھار

ملت بیضا کی عظمت کا وہ پرچم تار تار
چشم حیرت گردش تقدیر کی آئینہ دار

دل زبوں بے ذوق فطرت حوصلہ ناکام ہے

اے سپوتو قوم کے غیرت اسی کا نام ہے

رخ پہ رنگِ بزدلی اور آرزوئیں محوِ خواب — نوجوانی کی امنگیں صبحِ پیری کا جواب
روح پر چھایا ہوا تہذیبِ نو کا انقلاب — نذرِ ظلمت ہو حیاتِ جاوداں کا آفتاب

کفر کی ہیبت سے ایماں لرزہ براندام ہے
اے سپوتو قوم کے غیرت اِسی کا نام ہے

وہ بزرگوں کا تہور وہ تجمل وہ وقار — جن کا لوہا مانتی ہے اب بھی بزمِ روزگار
وہ صفا کا آئینہ تھے تم کدورت کا غبار — تم جہاں کے حق میں ذلت ہو وہ ملت کا نکھار

ان سے روشن تھا زمانہ تم سے گھر بدنام ہے
اے سپوتو قوم کے غیرت اسی کا نام ہے

وہ سریر آرائے عالم اور تم بے ننگ و نام — وہ سزاوارِ خلافت تم فرنگی کے غلام
توسنِ اقبال کی تھی ان کے ہاتھوں میں لگام — وہ طلوعِ صبحِ عشرت اور تم غربت کی شام

عظمتِ ماضی کا قصہ اک خیالِ خام ہے
اے سپوتو قوم کے غیرت اِسی کا نام ہے

وہ گلستاں جس پہ تھی نازاں نسیمِ خوشخرام | بادۂ گلگوں سے تھا لبریز ہر غنچے کا جام
ثبت ہر پتے پہ تھا جس کے جواں مردوں کا نام | جن کو خونِ دل سے اپنے سینچتے تھے خاص و عام

اب وہ گلشن پائمالِ گردشِ ایام ہے
اے سپوتو قوم کے غیرت اسی کا نام ہے

عظمتِ توحید پنہاں جس کی پیشانی میں ہے | وہ مسلماں سر بہ خم اب دیرِ رہبانی میں ہے
کشتیِ دین مبیں موجوں کی طغیانی میں ہے | کفر کوشاں خانۂ ایماں کی ویرانی میں ہے

جلوۂ توحید سے آویزشِ اوہام ہے
اے سپوتو قوم کے غیرت اسی کا نام ہے

وائے قسمت آرہی ہے صبح محشر ہوش میں | زندگی سوئی ہوئی ہے موت کے آغوش میں
اُٹھ رہی ہیں غم کی موجیں سینۂ خاموش میں | ہیں گھٹائیں یاس کی قلب ہزیمت کوش میں

اپنی ہی گردن پہ اپنی تیغ خوں آشام ہے
اے سپوتو قوم کے غیرت اِسی کا نام ہے

نازِ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ تھی جس کی ذات ۔۔۔ جس کی ہمت سے لرزتا تھا نظامِ کائنات

قلب کی وسعت پہ جس کے تنگ بزمِ شش جہات ۔۔۔ کھیلتا تھا موت سے جس کے ارادوں کا ثبات

آج وہ باطل کے در کا بندۂ بے دام ہے

اے سپوتو قوم کے غیرت اِسی کا نام ہے

جل چکا گھر آگ اب تن میں لگائی جائیگی ۔۔۔ جان لے کر بھینٹ بھارت پر چڑھائی جائیگی

خونِ حق سے پیاسِ باطل کی بجھائی جائیگی ۔۔۔ موڑ کر کعبہ سے مُنہ کاشی بسائی جائے گی

یہ ستم رانی کی دیوی کا نیا اقدام ہے

اے سپوتو قوم کے غیرت اسی کا نام ہے

جوشِ دیرینہ کی تیغِ شعلہ پیکر کی قسم ۔۔۔ ہاتھ سے کھوئے ہوئے اورنگ و افسر کی قسم

بادۂ توحید کے لبریز ساغر کی قسم ۔۔۔ سچ بتا نا تم کو تعلیمِ پیمبر کی قسم

کیا یہ شانِ اتباعِ ہادیٔ اسلام ہے

اے سپوتو قوم کے غیرت اسی کا نام ہے

لہ اَلْیَوْمَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ۃ

دیدۂ خونبار کی سیلاب زائی کی قسم
نالۂ دمساز کی شعلہ نوائی کی قسم
خود پرستی خود نمائی خودستائی کی قسم
تم کو اپنی بے رخی کی کج ادائی کی قسم

سچ کہو کیوں باغِ ملت میں تباہی عام ہے
اے سپوتو قوم کے غیرت اِسی کا نام ہے

قوم جس کی فکر پر ہو دین کی دولت حرام
جس کی فطرت میں نہ ہو روحانیت کا احترام
ہو نہیں سکتی وہ راہِ ارتقا میں تیز گام
زندگی کی کشمکش میں اسکو کیا پڑنے سے کام

اس کے حق میں وقت کی آواز بے ہنگام ہے
اے سپوتو قوم کے غیرت اِسی کا نام ہے

وہ ترقی جس کا ہر انداز بے باکانہ ہے
جس کی ہر سعیِ عمل اسلام سے بیگانہ ہے
زندگی کی موت یہ رنگِ پرستارانہ ہے
پردۂ تہذیب میں غارت گرِ کاشانہ ہے

دوستو آئین حاضر دشمن اقوام ہے
اے سپوتو قوم کے غیرت اِسی کا نام ہے

جس کا محرم تھا نہ اب تک دیدۂ شمس و قمر
آج اُس کا جلوہ بے باک ہے منتِ نظر

یادِ ایامِ گذشتہ کی صدائے الحذر
کہہ رہی ہے تجھ سے کیا اے مسلمِ شوریدہ سر

عشق ہے گوشہ نشین اور حسن طشت از بام ہے
اے سپوتو قوم کے غیرت اِسی کا نام ہے

زیست کے میدان میں مرکب کو دوڑا کر چلو
مسکراتے موت کے واروں کو کھا کھا کر چلو

تیغ کا لوہا صفِ دشمن سے منوا کر چلو
اور خود بھی تیغ کے مانند بل کھا کر چلو

تم کو اب اسلام کا یہ آخری پیغام ہے
اے سپوتو قوم کے غیرت اسی کا نام ہے

قوم سے

عزیزو اقتدارِ قوم کب تک بے نشاں ہوگا
کہاں تک شوقِ منزل گردِ راہِ کارواں ہوگا

جبینِ بندگی کب تک درِ آقا پہ خم ہوگی
کہاں تک اپنا سر غیروں کا سنگِ آستاں ہوگا

اُٹھو اے سونے والو آگیا ہنگامِ بیداری
دلِ ناداں کہاں تک مائلِ خوابِ گراں ہوگا

کہاں تک موجۂ باطل کے طوفانی تھپیڑوں میں
سفینہ زندگی کا غرقِ بحرِ بیکراں ہو گا

نہ تھا دل آشنا اس جورِ نیرنگِ زمانہ کا
کہ گلشن اپنا یوں پامالِ بیدادِ خزاں ہوگا

گھٹائیں چھا رہی ہیں ظلم کی گلزارِ ہستی پر
کہاں تک برق کی نظروں سے اوجھل آشیاں ہوگا

لٹا کر حیف وحدت کی متاعِ بے بہا مسلم
کہاں تک بستۂ زنجیرِ زنارِ بتاں ہو گا

تہی دست و تہی کیسہ تہی دامان تہی ساغر
نہ کب تک اپنی بدبختی کو احساسِ زیاں ہوگا

گری تھی برق بن کر جو کبھی دشمن کے خرمن پر
دل اس باطل شکن قوت سے کب شعلہ فشاں ہوگا

مراکش کا الم ایران کا غم شام کا رونا
یہ دل اسپین کے ماتم میں کب تک نوحہ خواں ہوگا

اصولِ دینِ فطرت کو بھلا کر یاد سے مسلم
کہاں تک ننگِ دین ننگِ وطن ننگِ جہاں ہوگا

مٹی شوکت لٹی دولت پھری قسمت گرا پرچم
کہاں تک دل رہینِ کوششِ ضبطِ فغاں ہوگا

الجھ کر عہدِ حاضر کی فضا کے پیچ اور خم میں
کہاں تک سازِ ہستی خارج از آہنگِ جاں ہوگا

شبِ تاریک زنداں میں تخیل عہدِ ماضی کا
کہاں تک باعثِ بیتابیِ قلبِ تپاں ہوگا

کبھی سوچا بھی تم نے دشمنانِ دین کے ہاتھوں سے
کہاں تک دامنِ توحیدِ مسلم دھجیاں ہوگا

تخیل بن کے چھایا ہے طلسم آزری دل پر
عزیزو کیا اسی کعبہ میں پھر عشقِ بتاں ہوگا

ہوائیں کفر اور الحاد کی چلتی رہیں گی کیا
چراغِ زندگی کب تک تہِ داماں نہاں ہوگا

اُٹھ اے اپنی تباہی کا تماشہ دیکھنے والے
کہاں تک کشتۂ بیدادِ تیغِ خونچکاں ہوگا

نہ ہو بیخود کفِ اعدا سے جامِ سرخوشی پی کر
کہ اس آغاز کا انجام مرگِ ناگہاں ہوگا

الجھ کر دامِ غفلت میں نہ ہو قسمت کا زندانی
کہ عزمِ مستقل پھر کارفرمائے جہاں ہوگا

گذر طوفاں کی رو سے بے نیازِ زندگی ہو کر
یقیں ہے حلقۂ ہر موج سے ساحل عیاں ہوگا

سیاست اور مذہب میں نہ باہم ربط ہو جب تک
ترا عزم و عمل بھٹکے ہوؤں کی داستاں ہوگا

بہت کچھ ہو چکی اسلام کے گلشن کی بربادی
اُٹھو اے بلبلو کب تک طوافِ آشیاں ہوگا

بچاؤ اپنا دامانِ حیا برقی چراغوں سے
یہ وہ لَو ہے اثر جس کا زوالِ خانداں ہوگا

سراپا شوق ہو کر رہ نوردِ منزلِ دل ہو
یہاں تقدیر کی گہرائیوں میں امتحاں ہوگا

مٹا کر خود فروشی کو خودی کی راہ میں کھو جا
اسی سے حریت کا رازِ سربستہ عیاں ہوگا

تلاشِ رنگ و بو میں خود سراپا رنگ و بو ہو جا
یہ اُجڑا گلستاں پھر بہارِ جاوداں ہوگا

خاتونِ مسلم سے خطاب

خواب سے خاتونِ مسلم اب ذرا بیدار ہو
کارزارِ زندگی کے واسطے تیار ہو

اے پرستارِ وفا اے پیکرِ عزم و ثبات
اے بہارِ زندگی اے رونقِ بزمِ حیات

ہے سفینہ تیرا گرداب بلا میں غوطہ زن
اپنی حالت کا ذرا احساس کر غافل نہ بن

اپنے گلشن کی جہاں میں پائمالی دیکھ لے
جس کو سینچا خوں سے اسکی خستہ حالی دیکھ لے

ہو فدا اسلام پر گر ہمتِ ایثار ہے
حق ہی باطل آج پھر آمادۂ پیکار ہے

گر نہ ہوں اب یاد تجھکو عہدِ ماضی کے سبق
دیکھ الٹ کر پھر گذشتہ زندگانی کے ورق

تیری آمد تھی جہاں میں زندگی کی صبحِ عید
باعثِ تسکین آدم تھی تری جلووں کی دید

دولتِ ایثار سے دل تیرا مالا مال تھا
تیرے اندر آسیہ[۱] کا صبر و استقلال تھا

دعوتِ حق کی صدا جس وقت فاراں سے اٹھی
کہہ کے تو لبیک سب سے پہلے حاضر ہو گئی

معرکۂ یرموک میں مسلم کی تنہائی کو دیکھ
اور اپنے عزم اپنی ہمت افزائی کو دیکھ

۱؎ آسیہ زوجۂ فرعون جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں اور فرعون کی طرح طرح کی سختیوں کے باوجود اپنے مذہب پر قائم رہیں

غازیوں نے جب کہ کھائے زخمِ شمشیرِ دودم
تو بھی مردوں کی طرح میداں میں تھی ثابت قدم

عائشہ کی تھی صداقت تجھ میں مریم کی صفا
خولہؓ کا عزمِ عمل خاتونِ جنت کی حیا

مرحبا ہے کیا سعادت آفریں تیرا وجود
غازیانِ حق نے پائی تیرے سائے میں نمود

مہرِ انور بن کے نکلے جو شفق میں ڈوب کر
تیری آغوشِ محبت کے وہ تھے تاباں گہر

تو نے ایسا عہدِ طفلی میں دیا درسِ عمل
کھل گئے معصوم دل کے تیری تسکیں سے کنول

جب کہ برپا کی جہاں میں ظالموں نے رستخیز
ہو گئی تو سر بکف حق کے لئے وقتِ ستیز

ہم نفس مردوں کی تیری ہمتِ مردانہ تھی
شمع تھی ملت کی اور مذہب کی تو پروانہ تھی

کاروانِ خفتہ کو نغمے ترے بانگِ درا
شور اک عالم میں تھا تیرے دمِ جاں بخش کا

تھا شجاعت آفریں تیرا طریقِ زندگی
جس سے تھی مسلم کے پائے عزم میں پائندگی

سلہ خولہ - ایک مسلمان جری و دلیر خاتون - ان کی دلاوری کے کارنامے تاریخ اسلام میں بہت کافی ملتے ہیں جب وہ دشمنوں کے نرغے میں پھنس جاتی تھیں تو اپنے ساتھ والیوں کو جوش دلا کر خیمے کی میخیں نکال دشمن کے مقابلے پر جم جاتیں یہاں تک کہ یا تو کفار خود ہی بھاگ جاتے - یا مسلمان ان کی مدافعت کو آجاتے جنگ یرموک میں بھاگنے والے مسلمانوں پر خیمہ کی میخ لے کر حملہ کرنے والیوں میں خولہ پیش پیش تھیں -

تیری ہستی نغمۂ توحید کا اِک ساز تھی
کفر کُش باطل شکن جس کی ہر اک آواز تھی

شب کے سناٹے میں ہوتی تھی تجھے حق کی طلب
رہتا تھا یا حیُ یا قیوم جاری زیرِ لب

نیم شب میں جب گری سجدے میں باحالِ سقیم
تیری آہوں کے شراروں سے ہلا عرشِ عظیم

یاد ہے وہ وقت بھی اے ملکہ محمل نشیں
تھا محافظ اس محافے کا کبھی روح الامیں

کھاتا تھا عرشِ معلی تیری شوکت کی قسم
تیرے در پر تھا جبیں گستر کبھی جاہ و حشم

خود نمائی خود پرستی کی ادا سے دور تھی
کھا کے تو نانِ جویں ہر حال میں مسرور تھی

دامنِ توحید میں تو جب تلک آباد تھی
ظلم سے رنج و الم سے فکر سے آزاد تھی

پاس اب ملت کا باقی ہے نہ کچھ خوفِ خدا
مغربی تقلید نے جوہر کو تیرے کھو دیا

ہر دم اپنے حسن کی مدِ نظر تزئین ہے
پرورشِ اطفال کی تیرے لیئے توہین ہے

قوم کی تعمیر تیری منزلِ مقصود تھی
اب مسرت کے لیئے ہے وقف تیری زندگی

بے دریغ اسراف سے شوہر ترا شاکی مُدام
تیری غفلت سے ہوا برہم ترے گھر کا نظام

حُسن تیرا باعثِ آرائشِ محفل ہوا
ہو گئی اندوہگیں لیکن ترے گھر کی فضا

نیم عریانی کو سمجھی اپنی زینت کی اساس
ہے خدا کا ڈر نہ باقی عزتِ آبا کا پاس

بڑھ گئی کچھ سرخی و غازہ سے جلووں کی چمک
مٹ گئی رخ سے مگر معصومیت کی وہ جھلک

کر چکی تو دین کو ملت کو غیرت کو سلام
مرثیہ خواں ہے تری حالت پہ دورِ صبح و شام

مصحفِ رب جب سے نقشِ طاقِ نسیاں ہو گیا
تیری ملت کا سفینہ غرقِ عصیاں ہو گیا

یاد کب لہو و لعب میں ذکرِ یزدانی تجھے
مضطرب رکھتا ہے اب ذوقِ تن آسانی تجھے

اپنی رسوائی پہ مذہب ہاتھ مل کر رہ گیا
شمعِ ملت بجھ گئی پروانہ جل کر رہ گیا

نیند سے غفلت کی اٹھ اور اپنی ہستی کو بچا
زہر میں ڈوبی ہوئی ہے عصرِ حاضر کی فضا

دیکھ سیلابِ فنا حد سے گذر جانے کو ہے
تیری جمعیت کا شیرازہ بکھر جانے کو ہے

مسلم سے خطاب

آہ مسلم آج تو کیوں ہوش سے بیگانہ ہے
نابلد رمزِ حقیقت سے دلِ دیوانہ ہے

حیف لبریزِ مئے غفلت ترا پیمانہ ہے
ہوش میں آ لُٹ رہا توحید کا کاشانہ ہے

اب نہ وہ مطرب نہ وہ ساقی نہ وہ میخانہ ہے
شمع محفل رو رہی ہے سوختہ پروانہ ہے

اے مسلماں عزتِ اسلام کے سرمایہ دار
تھا کبھی سعی و عمل پر زیست کا تیری مدار
آیۂ لاتقنطو کا راز تجھ پر آشکار
سورۂ انا فتحنا سے عیاں تیرا وقار
اک زمانہ خوشہ چیں تھا تیرے فیض عام کا
تجھ سے دنیا میں ہوا سرسبز باغ اسلام کا

بادۂ توحید سے لبریز تیرا جام تھا
دفترِ ہستی میں سب سے پہلے تیرا نام تھا
تو زمانہ پر خدائے پاک کا انعام تھا
قلبِ باطل تیرے ڈر سے لرزہ براندام تھا
تیرا سینہ تھا منور جلوۂ توحید سے
جس طرح دنیا ہو روشن تابشِ خورشید سے

حق میں اربابِ دغل کے تیری تیغِ بے نیام
بن کے دستِ ظلم یزل لیتی تھی اپنا انتقام
خلق کو درسِ عمل تھا تیرا حسنِ انتظام
اور نگاہِ ژرف کو تھا طرفہ حیرت کا پیام
جو بیاضِ علم و فن میں نسخۂ اکسیر ہے
عہدِ ماضی کی ترے دھندلی سی اک تصویر ہے

خلق میں ظلم و ستم کا گرم جب بازار تھا
کفر کا آتشکدہ تیرے لئے گلزار تھا
خطرہ قید و بند کا تھا کچھ نہ خوفِ دار تھا
حق کی خاطر تو ہمیشہ برسرِ پیکار تھا

تھا نہ تجھکو خوف برق و صرصر و صیاد سے
گلستاں محفوظ تھا تیرا ہر اک افتاد سے

تیری نظریں اس جہانِ آب و گل سے تھیں بلند
تیری فطرت تھی فضائے لامکاں سے بہرہ مند
لاتی تھی باطل کو خاطر میں نہ طبعِ حق پسند
انقلابِ دہرِ فانی سے نہ تھا تجھ کو گزند

تو صداقت کے چمن کا اک گلِ شاداب تھا
معدنِ جود و سخا کا گوہرِ نایاب تھا

تیرے ہاتھوں میں عناں تھی توسنِ ایام کی
تیری رفعت تھی مماثل چرخِ نیلی فام کی
تھی فروزاں شمع تجھ سے عظمتِ اسلام کی
تیری جولانگاہ وسعت مصر و روم و شام کی

تیری ہمت لیتی تھی اسکندر و دارا سے باج
تھا قدم بوسی کو حاضر قیصر و کسریٰ کا تاج

رشکِ صد گلزار تھی تیرے گلستاں کی بہار
جس کا تھا ہر نخل شادابی میں گلشن در کنار
تجھ کو تھا سرداریِ عالم کا خلعت سازگار
زیرِ فرمان تھے ترے شمس و قمر، لیل و نہار

کائناتِ بزمِ ہستی حکم پہ استادہ تھی
پیرِ گردوں کی جبیں در پر ترے افتادہ تھی

پرچمِ اقبال تھا تیرا کبھی کشورستاں　　کشتیِ اُمید کا تھی رحمتِ حق بادباں

فصلِ گُل کو ابرِ نیساں تیرا فیضِ بیکراں　　قہر تیرا ازمنِ باطل کو تھا برقِ تپاں

دل کو جب سے محوِ ذوقِ خود پرستی کر لیا

آپ کو غارت گرِ ناموسِ ہستی کر لیا

آج ہستی تیری وقفِ ماتمِ امید ہے　　تو ہے مُردہ تیری عظمت زندۂ جاوید ہے

اُٹھ کہ پھر در پیش بزمِ دہر کی تجدید ہے　　تیری پیشانی میں تاباں جلوۂ توحید ہے

دُور کر غفلت کے پردوں کو دلِ بیتاب سے

طالعِ خفتہ کو چونکا بے خودی کے خواب سے

زینتِ محفل تھا کل تک آج ہی ننگِ جہاں　　وجۂ عبرت بن گئی دُنیا کو تیری داستاں

تیرے قبضہ میں تھی کل تک یہ زمین و آسماں　　ظلمتِ شب میں ہے اب محرومِ منزل کارواں

تھا جو کل فریادرس وہ آج خود ناشاد ہے

تاجدارِ ہفت کشور خانماں برباد ہے

ناخدا حالت تری بیڑے کی غم انگیز ہے — ہے زمانہ ناساعد آسماں خوں ریز ہے

لنگرِ کشتی شکستہ بحرِ طوفاں خیز ہے — بخت محوِ خواب ہے بادِ مخالف تیز ہے

پھر شکستہ ہمتِ عالی سے اپنی کام لے

کر کے قسمت پر بھروسہ بادباں کو تھام لے

زندگی اقوامِ عالم کی سراپا جوش ہے — تو شرابِ بےخودی میں کس قدر مدہوش ہے

بربطِ اُمید سے اب یاس ہم آغوش ہے — وقت سے پہلے ربابِ زندگی خاموش ہے

سر پہ تیری آج چھائی ہے گھٹا ادبار کی

آشیاں ہے نذر تیرا برقِ شعلہ بار کی

کھو نہ وقفِ یاس ہو کر شانِ استقلال کو — خندہ پیشانی سے اُٹھ قسمت کے استقبال کو

ہاں دکھا دے جوہرِ شمشیرِ فرخ فال کو — عہدِ ماضی سے ملا دے لے کے عہدِ حال کو

خونِ آبائی رگوں میں جوش کھائے کاش پھر

دے درفشِ کاویانی کو شکستِ فاش پھر

تجھ سے کہتا ہے یہ فطرت کا تقاضا برملا
جادۂ حق پر رواں ہو کجروی سے باز آ

کفر کی آندھی بجھا دے شمعِ دینِ مصطفےٰ
ہے یہی تیری محبت ہے یہی پاسِ وفا

حق کے پروانوں سے خالی حیف یہ محفل ہوئی
قومِ مسلم کس لئے زناریِ باطل ہوئی

تیری ملت بھی وہی ہے ہادیِ ملت وہی
نورِ وحدت بھی وہی ہے جوششِ رحمت وہی

مصحفِ ناطق ہے ابتک مخزنِ حکمت وہی
ہے ابھی توحید میں تسخیر کی طاقت وہی

ہے پیمبرؐ بھی وہی تیرا وہی اسلام ہے
لیکن اے مسلم تری غفلت کا یہ انجام ہے

وہ پیمبر ہے کہ ٹھہری جس کی ذات بے مثال
مظہرِ فرخندہ اوصافِ ربِّ ذو الجلال

وہ رسا ہے افق کا ضوفشاں بدرِ کمال
جس کی آمد تھی جہاں میں کفر و ظلمت کا زوال

جس کی نکہت سے مشامِ دوجہاں ہے فیضیاب
جس کی ضو سے ہو گیا کافور ظلمت کا سحاب

چارہ سازِ دردِ ملت حامیِ دینِ متیں
جس کے پرتو سے ہوئی روشن عرب کی سرزمیں

کی عطا حق نے جسے سرداریِ دنیا و دیں
باعثِ تخلیقِ عالم رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْن

قولِ اَکْمَلْتُ لَکُمْ اُس شہ کا ہے نقشِ نگیں
ہے وہی بے شبہ اَوْ اَدْنٰی کی خلوت کا مکیں

چھوڑ کر راہِ رضائے خالقِ جبار کو
بھول کر عہدِ وفائے احمدِ مختار کو

پھینک کر سے ردائے سیدِ ابرار کو
محو کر کے یاد سے اسلاف کے کردار کو

روحِ آزادی کو پابندِ غلامی کر لیا
ملتِ اسلام کو تو نے مقامی کر لیا

اب بھی اے کج رو مسافر کج روی یہ چھوڑ دے
باگ پھر رہوار کی منزل کی جانب موڑ دے

توڑ دے جتنے بھی ہیں اصنامِ باطل توڑ دے
رشتۂ الفت محمد مصطفٰے سے جوڑ دے

ہو کے مست اک بار پھر اس بادۂ پرجوش سے
دور کر دے لعنتِ بارِ غلامی دوش سے

پھر دکھا دے ذوالفقارِ حیدری کی شان کو — اور ابوبکرؓ و عمرؓ کی قوتِ ایمان کو

زندہ کر دے پھر جہاں میں سطوتِ عثمانؓ کو — پنجۂ باطل سے کر آزاد ہندوستان کو

چھیڑ دے سازِ خودی توحید کی مضراب سے

جاگ اُٹھیں نیند کے ماتے فلک کے خواب سے

ساز تیرا اب بھی پر ہے نغمۂ تکبیر سے — ہو گیا خاموش لیکن شومیِ تقدیر سے

ہاں مٹا دے نقشِ باطل جلوۂ شمشیر سے — لے کے ایثار و تحمل کا سبق شبیرؑ سے

وقت ہے اب بھی کہ تو یہ بے نیازی چھوڑ دے

رُوحِ حُریت دکھا طوقِ غلامی توڑ دے

ہلالِ عید سے

ہلالِ عید تو نے عظمتِ مسلم بھی دیکھی ہے — جہاں میں کار فرما سطوتِ مسلم بھی دیکھی ہے

تجھے اُن شورماشیروں کے نعرے یاد ہیں اب تک — کہ جن کی گونج سے دشت و جبل آباد ہیں اب تک

نظر میں ہے زمانہ غزنوی کا اور غوری کا
تھا جن کے دبدبے سے رنگِ مریخ فلک پھیکا

پٹھانوں کی جہانبانی کا منظر تو نے دیکھا ہے
مغل اور اُن کی سلطانی کا منظر تو نے دیکھا ہے

یہی دلّی جسے ہندوستاں کا دل سمجھتے ہیں
سلاطینِ مغل کے عہد کا حاصل سمجھتے ہیں

یہی دلّی بنی تھی شہ جہاں کی آنکھ کا تارا
تھا اس کی خاک کا ہر ذرّہ عالمگیر کو پیارا

کبھی ہوتی تھی یاں اس شان سے تیری پذیرائی
کہ تھی چشمِ فلک بھی فرطِ حیرت سے تماشائی

جہاں مشتاق رہتا تھا تری فرخندہ پیکر کا
تری صورت پہ دھوکہ ہو تا تھا ابروئے دلبر کا

زمیں سے تا فلک اٹھتی تھیں لہریں شادمانی کی
وہ موجیں کامرانی کی وہ نبضیں زندگانی کی

یہی تو ہے وہی اب بھی ہے ملت اہلِ ایماں کی
مگر چہروں سے ظاہر ہے خلش غمہائے پنہاں کی

شمع[۵] خاموش ہے پروانے سارے جل چکے شاید
اب ان آنکھوں میں ویرانی ہے طوفاں ڈھل چکے شاید

فلک کو یاد اب تک جس کی جرأت کا فسانہ ہے
اُسی کا آج سر ہے ٹھوکریں ہیں اور زمانہ ہے

اُلجھ کر دام میں باطل کے آزادی کا جو یا ہے
نہ چونکے حشر تک شاید۔ کچھ ایسی پی کے سویا ہے

مٹا کر دل سے ایامِ سلف کے نقشِ پارینہ
شکستہ کر دیا خود اپنے مستقبل کا آئینہ

۵؎ شمع در اصل میم کے زیر سے صحیح ہے۔

رگِ ہستی کو خوں دیتی تھیں جن ہاتھوں کی شمشیریں
انہیں ہاتھوں کا اب بو رہیں محکومی کی زنجیریں

نظر تاریک - دل بے ذوق فطرت ننگِ ایمانی
سراپا رنگِ خود بینی فقط ذوقِ تن آسانی

یہ کیا محشر سے پہلے خلق میں محشر کے ساماں ہیں
غلامانِ محمدؐ کفش برداری پہ نازاں ہیں

بزرگوں پر جوانی اور پیری ہے جوانوں پر
غرض بارِ گراں ہیں محفلِ ہستی کے شانوں پر

اُداسی سے کسی کی شکل پہچانی نہیں جاتی
نہیں جاتی کسی صورت سے حیرانی نہیں جاتی

مگر تقدیر ہو یاور تو پھر وہ دن پلٹ آئیں
اسی مرکز پہ سارے ہند کے ساکن پلٹ آئیں

وہی چرچے خوشی کے ہوں وہی شادی کے ہنگامے
مچے ہوں چار جانب جشنِ آزادی کے ہنگامے

وطن کے باغ میں پھر ہی ہوائے اتحاد آئے
مشامِ جان و دل میں بوئے گلزار مراد آئے

اگر اب بھی مقدّر برسرِ تائید ہو جائے
حقیقت میں یہ روزِ عید روزِ عید ہو جائے

قائدِ اعظم محمّد علی جناح

ای جناح آج تدبّر میں نہیں تیری نظیر
ہے کلیدِ درِ نصرت ترا حُسنِ تدبیر

گاندھی و مالوی و نہرو و راجندر سب
ہیں سیاست میں ترے سامنے طفلِ مکتب

بھول سکتی نہیں تاریخ ترے چودہ نکات
جن سے اغیار کی چالوں کو کیا تو نے مات

بہرِ تخریب اُٹھے ظلم و ستم کے بانی
زورِ باطل پہ یہ اغیار نے دل میں ٹھانی

حملۂ کفر سے حق کو تہہ و بالا کر دیں
بس چلے اپنا تو کعبے کو شوالا کر دیں

آیا میداں میں تو اغیار کا طعنہ سُنکر
جراُتِ خالدؓ اعظم کا نمونہ بن کر

وہ ترا ذہن رسا وہ تری فطرتِ عالی
دُور کی جس نے مسلمانوں کی خستہ حالی

تیری بے لوث بہ خدمت بہ ترا جوشِ عمل
ڈال دی جس نے کہ اغیار کی صف میں ہل چل

وہ تری تیز نگاہی وہ مآل آگاہی
جس پہ اربابِ دغل کی نہ چلی روباہی

محرمِ رازِ سیاست ہی تری پختہ نظر
ہے مسلمانوں کی تنظیم کا سہرا ترے سر

کل جو تھے نشۂ پندارِ حکومت میں مست — حوصلے آج ہیں اس قوم کے افراد کے پست

تفرقہ چاہتے تھے کل جو مسلمانوں میں — ہیں خجالت سے سر آج اُن کے گریبانوں میں

زور و قوت کے بھروسے پہ جو مغرور تھے کل — اب نہیں ان کی جبینوں پہ وہ نخوت کے بل

قوم مسلم کی جو کرتے تھے نہ ہستی تسلیم — آج ہیں سلسلہ جنباں پئے صلح و تفہیم

گو مسلمانوں میں کچھ بے حس و غدار بھی تھے — بندۂ زر بھی تھے کچھ بستۂ زنار بھی تھے

چاہتے تھے کہ مسلمان ہوں غفلت کے شکار — منتشر ہو کے رہیں طالبِ رحمِ اغیار

تو نے شیرازۂ مسلم کو بکھرنے نہ دیا — خم سرِ عجز درِ غیر پہ کرنے نہ دیا

تو نے پھر سر سے اخوت کا سبق تازہ کیا — متحد قوم کا بکھرا ہوا شیرازہ کیا

کردیا دور مسلماں کی گراں خوابی کو — راہ دی کعبہ کے بھٹکے ہوئے اعرابی کو

اس گئے وقت میں ملت کا سہارا تو ہے — فلکِ قوم کا رخشندہ، ستارا تو ہے

اب دعا ہے کہ رہے فتح کا سہرا ترے سر

تیرے صدقے میں ملے ملتِ بیضا کو ظفر

نظم بر موقع تشریف آوری قائد اعظم محمد علی جناح

۲۳ نومبر ۱۹۴۱ء مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (زنانہ مسلم لیگ)

نئے سر سے بہار آئی ہے اس اُجڑے گلستاں میں
دوبارہ پڑ گئی ہے جان دلِ مُردہ کے ارماں میں

مُبارکباد کا اک شور ہے مُرغانِ بُستاں میں
عجب منظر ہے صحنِ باغ کا فصلِ بہاراں میں

نہ ہو کیوں شاد ملت جوہرِ قابل کی آمد ہے
علی گڑھ میں ہمارے رہبرِ کامل کی آمد ہے

وہ آیا جو ہمارے حق میں رحمت کا پیامی ہے
وہ آیا جو ہمارے مذہب و ملت کا حامی ہے

وہ آیا جس کی حکمت ضامنِ فتح دوامی ہے
وہ آیا جو سفیرِ خُرّمی و شادکامی ہے

ہمارا قائدِ اعظم یہاں تشریف لایا ہے
ہمارے سر پہ اُس کا اُس پہ فضلِ ربّ کا سایہ ہے

مسلمانوں کے شیرازہ کو یکجا کر دیا جس نے
دلوں کو جذبۂ حُبِّ وطن سے بھر دیا جس نے

مئے رنگینِ آزادی کا اک ساغر دیا جس نے
سُہا کو دفعۃً اوجِ مہِ انور دیا جس نے

مسلمانوں کے حق میں قاصدِ فرخندہ فر آیا
ہمارا قائدِ اعظم ہمارا راہ بر آیا

یہ وہ عزت ہے جس پر فخر اور نازش مسلّم ہے
نگاہوں میں ہماری رتبۂ چرخِ بریں کم ہے

ہمارے سامنے دارا و اسکندر کا سر خم ہے
ہمارا جہاں قسمت ہے وہ انسانِ اعظم ہے

شبِ تاریکِ ملت میں جو پیغامِ سحر لایا
مسلمان راہ گم کردہ تھے اُن کو راہ پر لایا

خدا کے فضل سے اب ہم میں تنظیم و اخوت ہے
نہ وہ آپس کے جھگڑے ہیں نہ وہ پہلی سی کلفت ہے

مقدم زندگی سے پاسِ ناموسِ شریعت ہے
مگر یہ سب ہمارے راہ بر ہی کی بدولت ہے

خداوندا! تو اس رہبر کو عمرِ جاودانی دے
اسے اپنے مقاصد میں نویدِ کامرانی دے

گزارش ہی مری اب محترم بہنوں کی خدمت میں
کہ ہم پر ایک نازک ذمہ داری ہی حقیقت میں

جو کوتاہی ہوئی ہم سے ادائے حقِ ملت میں
سمجھ لو ضعف آئیگا بنائے نظمِ اُمت میں

ہماری گود ہے انسانیت کا پہلا گہوارا
ہے ہم پر قوم کا بننا بگڑنا منحصر سارا

ابھی تک ضربِ عمارہ[۱] کی سطوت دل میں باقی ہی
وہ جس کا درد اب تک سینۂ باطل میں باقی ہے

ہوئی گو شمع گُل لیکن دھواں محفل میں باقی ہی
نشانِ محملِ لیلیٰ ابھی منزل میں باقی ہے

جواں مردی کی پیشانی پہ جسکا نام روشن ہے
وہ گوہر جس کی تابانی سے آج اسلام روشن ہے

---

[۱] اُمِ عمارہ:- ایک مسلمان خاتون۔ آپ جنگِ اُحد کے دن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سپر بنی ہوئی تھیں۔ جتنے وار آتے آپ اس شانِ رسالت کو بچانے کی خاطر اپنے اوپر لے لیتی تھیں۔ یہاں تک کہ ایک ملعون کے کاری وار نے آپ کو بُری طرح زخمی کیا اور آپ زمین پر گر پڑیں۔ اس وقت حضورِ رسالت مآب نے ان کے صاحبزادہ عمارہ سے فرمایا "اپنی ماں کو لے جاؤ"۔
یہ بات قابلِ غور ہے کہ اسوقت ان کی عمر ۷۰ برس کی تھی۔
نوٹ:- عمارہ یہاں بضرورتِ شعر مشدد ہے۔

ہماری گود سے ضرارؓ[1] و خالدؓ[2] سے جواں نکلے فہیم و کاردان اُٹھّے، دلیر و تیغ راں نکلے

ہماری بزم سے جرأت کے لاکھوں کارواں نکلے ہمارے صف شکن کشورستانِ دو جہاں نکلے

ہمیں اب بھی اسی صدق و صفا سے کام لینا ہے

ترقّی ہائے قومی کا سفینہ ہم کو کھینا ہے

ابھی ہی وقت ملّت کی علم بردار بن جاؤ اخوّت کی سپر اسلام کی تلوار بن جاؤ

شبستانِ حیا کی شمعِ پُر انوار بن جاؤ تہِ دل سے کنیزِ احمدِ مختار بن جاؤ

ہو سرگرم عمل کشتِ وفا کی آبیاری کو

سمجھ کر اپنا فرضِ اوّلیں طاعت گزاری کو

---

[1] حضرت ضرارؓ بن ازور اسلام کے نامور فرزند۔ آپ تنہا دشمن کی صف میں گھس جاتے تھے اور اسے درہم برہم کر دیتے۔ آپ کبھی جنگ میں ننگے بدن ایک لانبا نیزہ لے کر لڑنے لگتے۔ کبھی بوسیدہ قبا پہن کر چھوٹی سی تلوار ہاتھ میں لے دشمن پر جا پڑتے۔ آپ کا نام ہی سن کر دشمنوں کے جگر تھرا جاتے تھے۔

[2] حضرت خالدؓ بن ولید سپہ سالارِ جیشِ اسلامیہ۔ آپ کی بہادری کے کارناموں سے تاریخ عالم بھری ہوئی ہے۔ سپہ سالاری کے زمانہ میں اور اس سے معزول ہونے کے بعد بھی آپ ہی کی تیغ نے تمام دنیا کو اسلام کے زیرنگین کیا۔ آپ بسا اوقات صرف چالیس پچاس آدمیوں کو ساتھ لیکر دشمن سے آمادۂ جنگ ہو جاتے۔ آپ کے پاس ایک کلاہ تھی جس میں رسول کریم صلعم کے موئے مبارک تھے۔ یہ تمام برکت اسی کلاہ کی بدولت تھی۔
نوٹ:۔ ضرار بضرورت شعر مشدد ہے۔

سمجھ لیجے کہ ہم آئندہ نسلوں کو سنوارینگے
ہمیں کرنا بہت کچھ ہے مگر ہمت نہ ہارینگے

خدا اچھا ہے تو رنگِ چہرۂ ملت نکھارینگے
سفینہ غرق ہونے کو ہے لیکن ہم اُبھارینگے

مسلمانوں کی مُردہ قوم کو ہم زندگی دینگے
انہیں ہم زندگی بخشینگے اور تابندگی دینگے

رُودادِ نسواں

چھپا رکھا تھا شکوہ دل میں ہم نے دل کے محرم کا
بنا رکھا تھا مخزن اپنا سینہ شعلۂ غم کا

نہ خوگر ہو سکا جب دم یہ دل صدماتِ پیہم کا
وسیلہ بن گیا زخمِ جگر تدبیرِ مرہم کا

لبِ خاموش نے آخر سکوتِ دائمی توڑا
قلوبِ مطمئن نے دامنِ صبر و سکوں چھوڑا

تمنا بن کے جب سینے سے آہوں کا شرار اُٹھا
برسنے دیدۂ تر مثلِ ابرِ نوبہار اُٹھا

تڑپ کر صورتِ سیماب قلبِ بے قرار اُٹھا
قفس میں طائرِ جاں مضطرب ہو کر پکار اُٹھا

رقم کر خونِ حسرت سے فسانہ زندگانی کا
سُنا ہیں صنفِ غالب کو ورق اپنی کہانی کا

نہ پوچھو کیفیت ہم سے ہمارے جذبۂ دل کی
ہوئی گُل روتے روتے شمع آخر اپنی محفل کی

نہ کی صیّاد نے پروا، ذرا شورِ عنادل کی
کہ ویرانہ قفس کا انتہا تھی اپنی منزل کی

بنا کر تختۂ مشقِ ستم جلّاد نے رکھا
ہمیں پابند کر کے بانیِ بیداد نے رکھا

رکھا بیزار جاں سے نت نئے آزار نے صدیوں
لٹائے نقدِ الفت چشمِ گوہر بار نے صدیوں

رکھا پابندِ آفت چرخِ کجرفتار نے صدیوں
جلایا اپنا گلشن آتشِ پیکار نے صدیوں

عذابِ روح تھا ہر سانس کو خوفِ شماتت سے
نہ پھیرا منہ کو لیکن حکمِ خالق کی اطاعت سے

سہے ہم نے ہزاروں حسرت و آلام دُنیا میں — رکھا محرومیِ تقدیر نے ناکام دُنیا میں

نہ پایا کوئی پل کوئی گھڑی آرام دُنیا میں — رہے مُرغِ قفس بن کر اسیرِ دامِ دُنیا میں

جہاں میں گوہرِ مہر و وفا کی آبرو بن کر

رہے خاموش مثلِ گُل، پریشاں مثلِ بُو بن کر

گریں گی جانِ مضطر پر الم کی بجلیاں کب تک — رہیں گی مہماں گھر کی ستم آرائیاں کب تک

حوادث کے تھپیڑوں کی تلاطم خیزیاں کب تک — رہیں گی ورطۂ غم میں ہماری کشتیاں کب تک

مٹائیگا تمہارا ظلم کب تک جانستاں بن کر

اُجاڑیگا ہمارے باغ کو بادِ خزاں بن کر

ہمیں دیکھو گے تم کب تک حقارت کی نگاہوں سے — رہے گی دشمنی کب تک تمہیں ہم بے گناہوں سے

دھواں کب تک اٹھے گا اپنی دردانگیز آہوں سے — رہے گی تا کجا بے اعتنائی دادخواہوں سے

رہے گا بند کب تک ہم پہ آزادی کا دروازہ

بنے گا آرزو کا خوں رخِ مظلوم کا غازہ

رہے دنیا میں ہم دکھتے ہوئے دل کی صدا بن کر　　کہیں بے نور آنکھوں کے لئے نور و ضیا بن کر

کہیں بے کس ضعیفوں کے سہارے کو عصا بن کر　　ادا کرتے رہے حق پیکرِ مہر و وفا بن کر

دیا ہر ہر طریقے سے ثبوت اپنی صفائی کا

رہا اس پر بھی باقی داغ ہم پر بے وفائی کا

بنایا عفت و شرم و حیا کو پاسدار اپنا　　ادب پوشاک اور زیور رہا صبر و قرار اپنا

رکھا پوشیدہ دل میں جذبۂ بے اختیار اپنا　　رہا تلخی میں بھی غم کی تخیل خوشگوار اپنا

دکھایا عزم ہم نے معدنِ صدق و صفا رہ کر

گذاری زندگی پابندِ آئینِ وفا رہ کر

رہے گو دل میں تم کاشانۂ دل کے مکین بن کر　　امانت قوم کی برباد کی لیکن امیں بن کر

روا رکھا ستم ہم پر نبیؐ کے جانشیں بن کر　　اُجاڑا تم نے گلشن نخلبندِ باغِ دیں بن کر

کہو انصاف سے خود کیا ٹھکانا ایسے ظالم کا

رکھے اسلام پر بہتان جو اپنے مظالم کا

خداوندانِ مذہب بھی نرالی شان رکھتے ہیں
وہ کہنے کو خدا کے حکم پر ایمان رکھتے ہیں

صداقت کے لئے اپنی سند قرآن رکھتے ہیں
غضب ہے مصحفِ رب پر بھلا بہتان رکھتے ہیں

سناتے ہیں یہ پڑھ کر ترجمہ آیاتِ قرآں کا
کہ اس میں صاف ہے فرمان قید و بندِ نسواں کا

ہیں موتی اک صدف کے ایک گلشن کے ثمر دونوں
ہوئے اک نخل کے سایہ میں پل کر بارور دونوں

ہیں اک صانع کی صنعت کے کرشموں کا اثر دونوں
ہیں اک خالق کے بندے ایک حکمت کی نظر دونوں

کیا کیوں بند ہم پر اس نے بابِ علم و آزادی
ہوئی منظور کیوں قدرت کو اپنی خانہ بربادی

بتاؤ تو طریقہ ہادیِ اسلام کا کیا تھا
ہمارے سر پہ احساں اُن کے فیضِ عام کا کیا تھا

تمہیں معلوم ہے آغاز اس انجام کا کیا تھا
کلام اللہ میں حق اس ہستیِ ناکام کا کیا تھا

اگر دشمن ہے اک عالم تو ہو، اللہ یاور ہے
پڑھو قرآن میں ھُنَّ لِبَاسٌ[1] حکمِ داور ہے

[1] ھن لباس لکم وانتم لباس لھن (پارہ سیقول سورت البقر) ترجمہ:- وہ تمھارا لباس ہیں اور تم ان کا

وہ جس کی ذاتِ اقدس بن کے الطاف عمیم آئی   وہ رحمت ساتھ جس کے رحمتِ ربِّ کریم آئی

جہاں میں ساغرِ توحید کی بن کے قسیم آئی   لٹانے بوئے وحدت خلق میں شکلِ نسیم آئی

سرِ فاراں پہ جھنڈا جس نے آزادی کا لہرایا

گریزاں جس کے پرتو سے ہوا الحاد کا سایا

وہ محبوبِ خدا، سردارِ عالم، ہادیٔ دوراں   وہ سالارِ رسل، شمعِ سُبُل، گنجینۂ عرفاں

کفیلِ طبقۂ نسواں تھا جس کا سایۂ داماں   بنا جس کا کرم ہم بے کسوں کی زیست کا ساماں

دیئے تھے جو حقوقِ زندگی اُس پاک ہستی نے

کئے نذرِ فنا وہ سب تمہاری چیرہ دستی نے

قوانینِ شریعت کا بنا کر رازدار اس نے   دیا ہم کو نظامِ زندگی میں اختیار اس نے

سیاسی مجلسوں میں ہم کو بخشا اقتدار اُس نے   بنایا محفلِ علم و ادب کا حصہ دار اُس نے

ملی اس کے عمل میں طبقۂ نسواں کو آزادی

معینِ صنفِ نسواں بن گیا اسلام کا ہادی

بنایا سرورِ ذی جاہ نے جب راز دار اپنا نگاہِ اہلِ دل میں ہو گیا قائم وقار اپنا

ہوا ہر حلقۂ تہذیب میں جب اعتبار اپنا رہا باقی نہ حیوانوں کے زمرے میں شمار اپنا

ملی اس رحمتِ عالم کے صدقے میں بہ آسانی

متاعِ کس مپرز کو گوہرِ یکتا کی تابانی

کتابوں میں خواتینِ سلف کا حال زندہ ہے زمانے میں ہمارا عزم و استقلال زندہ ہے

رضیہ[1] کی حکومت نور[2] کا اقبال زندہ ہے زبیدہ[3] کا تجمل، خولہ کا اجلال زندہ ہے

ابھی ہے اپنا سینہ شوکتِ ماضی کا آئینہ

دکھاتا ہے جو اپنے عکس میں احوالِ پارینہ

---

[1] رضیہ سلطان التمش والئی ہند کی بیٹی تھی۔ یہ التمش کے بعد ہندوستان پر حکمراں ہوئی۔ مردوں کی طرح ہر فن میں ماہر تھی اور بڑی قابلیت سے نظامِ حکومت چلاتی تھی۔

[2] ملکہ نور جہاں شہنشاہ جہانگیر کی بیگم جس کی عظمت و شوکت کی داستانیں ہمیشہ ہندوستان میں یادگار رہیں گی۔ بڑی بہادر خاتون تھی، بڑی اچھی شاعرہ تھی۔

[3] زبیدہ خاتون، ہارون الرشید خلیفۂ عباسی کی ملکہ، یہ بہت سخی و نیک خاتون تھی۔ مکہ معظمہ میں نہرِ زبیدہ اسی کے نام سے مشہور ہے۔

خبر ہے صنفِ نازک میں ہے وہ[۱] جنسِ گرانمایا ۔۔۔ کہ جس کے سر پہ پہلے پرچمِ اسلام لہرایا

وہ جس نے خلق میں اوّل مسلماں کا لقب پایا ۔۔۔ کیا نذرِ پیمبر زندگی کا اپنی سرمایا

نتیجہ ہے یہ ازواجِ پیمبر کی فقاہت کا

ذخیرہ ہے جو دنیا میں احادیثِ نبوت کا

تمہاری ذات جب تک کشتیِ حق کا سہارا تھی ۔۔۔ وفاداری ہماری ہر قدم پر آشکارا تھی

تمہیں ہم سے مساواتِ عمل جب تک گوارا تھی ۔۔۔ فضائے گلشنِ اسلام جنت کا نظارا تھی

نہ کھٹکا تھا حوادث کا نہ غم اُفتاد کا اس کو

نہ گلچیں کا خطر تھا اور نہ ڈر صیاد کا اس کو

خود اپنے ہاتھ سے تخریبِ ملت کی بنا ڈالی ۔۔۔ ہمیں جاہل بنا کر تم نے ملت خود مٹا ڈالی

مصیبت اک زمانہ کی ہمارے سر پہ لا ڈالی ۔۔۔ جو کشتِ آرزو خوں دے کے سینچی تھی سکھا ڈالی

نہیں ممکن کہ تاریکی میں ہوں روشن نظر پیدا

ضیائے مہرِ رخشندہ سے ہوتی ہے سحر پیدا

[۱] ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ

ہوئی ہے رائے قائم رہبرانِ قوم و ملت کی
کہ ہے آغوشِ مادر درسگہ اخلاق و حکمت کی

نہ ہو بنیاد مستحکم اگر قومی عمارت کی
توقع غیر ممکن اس سے ہے امن و سلامت کی

اگر منظور ہے، ہوں قوم میں اہلِ نظر پیدا
ضرورت ہے کہ نسواں میں کرو شوقِ ہنر پیدا

ابھی ہے وقت باقی اپنی کج فہمی سے باز آؤ
مسلماں ہو تو احکامِ شریعت کو بجا لاؤ

انہیں اس نعمتِ عظمیٰ کی لذت سے نہ ترساؤ
بنا کر نیم بسمل کنجِ عزلت میں نہ تڑپاؤ

گذر جائے مبادا اس کا وقت اور بات رہ جائے
نکل جائے یہ موقع حسرتِ مافات رہ جائے

خبر ہے قائدِ اعظم نے جو تم کو نصیحت کی
کہ شمشیر و قلم دونوں ہیں زینت کاخِ ملت کی

مگر ان دونوں سے بڑھکر کہیں طاقت ہے عورت کی
حقیقت میں یہی بنیاد ہے قومی عمارت کی

وہ ملت پا نہیں سکتی کبھی انوارِ آزادی
معطل اور ناکارہ ہو جس کی نصف آبادی

غم آگیں کس قدر یہ داستانِ تلخ کامی ہے
جو قسمت سے کوئی آزادئ نسواں کا حامی ہے

تو آزادی نہیں وہ اہلِ مغرب کی غلامی ہے
نگاہ و دل کی بے باکی، ہوس کی بے لگامی ہے

یہ آزادی ہمارے دکھ کا درماں ہو نہیں سکتی
یہ تاریکی حریفِ مہرِ تاباں ہو نہیں سکتی

مآل اس تربیت کا ہے فقط ذوقِ تن آسانی
نہ اس میں جذبۂ غیرت، نہ احساسِ مسلمانی

سعادت فاطمہؓ کی ہے، نہ صدیقہؓ کی تابانی
خلافِ شیوۂ ایماں ہے یہ تعلیمِ نسوانی

نگاہِ ناز کو اپنی جو یوں بے باک کرتے ہیں
وہ اپنے ہاتھ سے ملت کا پردہ چاک کرتے ہیں

نگہ بے باک ہوتی ہے تو دل تاریک ہوتے ہیں
گریزاں شرم و غیرت وسوسے نزدیک ہوتے ہیں

حجاب آمیز ہوتے ہیں تو جلوے ٹھیک ہوتے ہیں
توازن رکھنے والے لائق تبریک ہوتے ہیں

نگہ کی خیرگی اچھی، نہ دل کی تیرگی اچھی
اُجالا جس سے دنیا میں رہے وہ روشنی اچھی

ضرورت ہے کہ عورت جذبۂ عزت میں کامل ہو
فرائض زندگانی کے ادا کرنے کے قابل ہو

حصولِ دیں کی کوشش زندگی کا اس کی حاصل ہو
تحمل، صبر و ایثار و رضا فطرت میں شامل ہو

افق پر علم و حکمت کے مثالِ مہر رخشاں ہو
بساطِ زندگی جس کی شعاعوں سے درخشاں ہو

وطن اس کی شعاعِ نور سے معمور ہو جائے
فروغِ دین و دانش سے زمیں پُر نور ہو جائے

حیا آئین ہو، صدق و صفا دستور ہو جائے
جہاں میں پیکرِ علم و عمل مشہور ہو جائے

رہے گو مردمک کی طرح پردے میں جمال اس کا
افق پر صورتِ مہرِ مبیں چمکے کمال اس کا

خدایا ہم کنیزوں کو عمل کی تو ہدایت دے
ارادوں میں بلندی، حوصلوں میں استقامت دے

شجاعت امِ عمارہ کی اسمٰا کی حمیت دے
ہو قائم سطوتِ اسلام جس سے وہ حرارت دے

الٰہی پرچمِ نسواں کو پھر عالم میں بالا کر
ہماری محفلوں میں شمعِ ایماں کا اُجالا کر

ؔ حضرت اسمٰا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی (جنہیں عشرۂ مبشرہ میں شامل ہونے کا فخر حاصل ہے) زوجۂ محترمہ اور حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی مادرِ محترم ہیں۔ ہجرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت جب آپ نے اپنی پیٹی کے دو ٹکڑے کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے توشہ دان کو باندھا تو آپ کو بارگاہ رسالت سے "ذات النطاقین" کا خطاب عطا ہوا۔ جس وقت ابن زبیر رضی اللہ عنہ حجاج کے نرغے میں گھر کر بے یار و مددگار رہ گئے تو اپنی مادرِ محترم کے حضور میں گئے اور عرض کی۔ "اماں جان، فرمایئے کیا میں ان لوگوں کے ہاتھ پر بیعت کر لوں" اس وقت اس باحمیت خاتون نے جواب دیا، "عبداللہ اگر تم ناحق پر ہو تو بیعت کر لو، لیکن اگر حق پر ہو تو خدا کی راہ میں قربان ہو جاؤ، عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے"

ہندوستان و پاکستان

ہندوستان

یہ کس نے تفرقے کا بیج بو یا اس گلستاں میں
یہ کس نے چھیڑ دی پیکار باہم کفر و ایماں میں

یہ کس نے خرمنِ الفت جلا کر خاک کر ڈالا
یہ کس نے پردۂ مہر و مروت چاک کر ڈالا

یہ کس نے جادۂ اخلاص و دلسوزی سے منہ موڑا
یہ کس نے اتحادِ باہمی کا سلسلہ توڑا

یہ پاکستان نے خوابیدہ فتنے کو جگایا ہے
اسی نے قوم کو آپس میں لڑ مرنا سکھایا ہے

اسی نے قومیت کو ہند کی فرقوں میں بانٹا ہے
یہی ہندوستاں کی راہِ آزادی میں کانٹا ہے

خدا ہی جانے اس روزِ سیہ کی شام کیا ہوگی
یہ ہے آغاز تو کیفیتِ انجام کیا ہوگی

وطن ہی آج قومیت کی ہے بنا دنیا میں
وطن ہی سے ہیں قومیں شاد اور آباد دنیا میں

وطن پر آج اقوامِ مہذب جان دیتی ہیں
فقط اک جان ہی کیا عزت و ایمان دیتی ہیں

وطن اہلِ بصیرت کی نظر میں سب سے پیارا ہے — یہ جان و مال سے، اولاد سے، مذہب سے پیارا ہے

وطن ہی ہند میں بھی قومیت کی گر بنا ہوتا — ہر اک گردن میں طوق اس کی طاعت کا پڑا ہوتا

اسی کُل میں ہر اک جزُ اپنی ہستی کو سمو دیتا — اسی وحدت میں اپنی انفرادیت کو کھو دیتا

ہر اک شے سے مقدم ہوتی گر اس کی وفاداری — اسی رشتے کے سبب شیخ و برہمن ہوتے زناری

نہ ہوتا مصر و شام و ترکی و ایران کا سودا — ہر اک سر میں سماتا صرف ہندستان کا سودا

تو یہ اُجڑا ہوا گلزار بھی آباد ہو جاتا
غلامی سے ابھی ہندوستاں آزاد ہو جاتا

پاکستان

تعجب کیا اگر اسلامیوں نے تجھ سے منہ موڑا — تری کج رائیوں پر رشتۂ مہر و وفا توڑا

ترے فرزند ہیں محکومِ یورپ کے دل دادہ — سمجھتے ہیں اسی کو منزلِ اقبال کا جادہ

انھیں کیا تجربہ آزادیوں کی قدر و عظمت کا — انھیں اندازہ کیا اسلوب و آئینِ حکومت کا

غریبوں نے کبھی آزاد رہنا ہی نہیں سیکھا — کبھی طوفان کی مانند بہنا ہی نہیں سیکھا

انھیں پروا نہیں افرنگ اگر محشر کرے برپا — نہ جائے رشتہ لیکن ہاتھ سے بھارت کی وحدت کا

مگر میرے جگر گوشوں کو کیا اس قیدِ باطل سے — کہ خوشبوئے گل کی پابندِ مکاں ہوتی ہے مشکل سے

یہ ناممکن کہ راحت ہو انھیں بندِ غلامی میں — یہ مستبعد کہ وہ محدود ہوں قیدِ مقامی میں

وہ ڈھائیں گے طلسم افرنگ کی تدبیرِ محکم کے — وہ رہبر ہیں نہ صرف اپنے وطن کے بلکہ عالم کے

کریں آخر قناعت کس طرح قیدِ دوامی پر — ابھی گذری ہے ان کو اک صدی عہدِ غلامی پر

نہ ہو اپنے وطن سے ان کو الفت ہو نہیں سکتا — مگر پھر بھی وطن بنیادِ ملت ہو نہیں سکتا

رسولِ پاک کی ہجرت یہ دیتی ہے سبق ان کو — کہ ہے یکساں سوادِ مشرق و مغرب پہ حق ان کو

عبث دیتا ہے تو ذوقِ وطن کی جنسِ کاسد کو — ابھی بھولی نہیں دنیا لڑائی کے مفاسد کو

تجھے کیوں خوف پاکستان سے محسوس ہوتا ہے — کہ یہ پیغام خود تیرے لئے امن و بقا کا ہے

"مسلماں کے لہو میں ہے سلیقہ دلنوازی کا

اخوت حسنِ عالمگیر ہے مردانِ غازی کا" (اقبال)

۱۹۴۱

غزلیات

غزل

وسعت مرے خیال میں ارض و سما کی ہے
محرم نظر مری حرم کبریا کی ہے

ہر شے سے حسنِ صانعِ قدرت ہے آشکار
ہر گل میں بو بسی کسی رنگیں ادا کی ہے

پہنچیں دعائیں بابِ حریمِ قبول تک
تاثیر یہ کسی دلِ درد آشنا کی ہے

گلشن میں ہے خرامِ عروسِ بہار کا
کترے ہیں گل یہ طرفہ روش نقشِ پا کی ہے

اب دیدنی ہے ہر گلِ رنگیں کا بانکپن
عالم شباب کا ہے، نزاکت بلا کی ہے

گلزار و مرغزار میں اور سبزہ زار میں
ندّی رواں نسیم کے جود و سخا کی ہے
بلبل کی لے میں بربطِ توحید کا ہے سوز
ہر سمت دھوم باغ میں صلِّ علیٰ کی ہے
نغمہ سرا ہے فاختہ وحدت کے ساز پر
نالوں میں قمریوں کے عجب لے صفا کی ہے
کلیوں کے قہقہے ہیں فضائے بسیط میں
غنچوں سے آج آنکھ مچولی صبا کی ہے
مخفیؔ کسی غریب کے نالوں کا ہے اثر
آیا ہے ابر جھوم کے رحمت خدا کی ہے

جوشِ پر رنگِ طرب دیکھ کے میخانے کا

جُھک کے منہ چوم لیا شیشے نے پیمانے کا

سازِ عشرت سے نکلتی ہے صدائے ماتم

کیا یہ دنیا ہے مرقع مرے غم خانے کا

نظر آتی ہے ہر اک بُت میں خدا کی قدرت

سلسلہ کعبہ سے ملتا ہے صنم خانے کا

مِل گئی مل گئی داد اپنی وفاؤں کی مجھے

ہنس دیئے سن کے وہ قصہ مرے مرجانے کا

درس لے زندگیٔ شمع سے اے پروانے

عاشقی نام ہے مر مر کے جیئے جانے کا

کنج مرقد میں بھی آرام سے سونا معلوم
نقش ابھی دل میں ہے گذرے ہوئے افسانے کا

شمع رو رو کے اسی غم میں گھلی جاتی ہے
خونِ ناحق مری گردن پہ ہے پروانے کا

دیدۂ تر نے کئے راہ میں دریا حائل
قصد اُس نے جو کیا دل سے کبھی جانے کا

حرم و دیر میں کس طرح سے لگے دل اس کا
جس کی نظروں میں ہو نقشہ ترے کاشانے کا

دیکھ جاؤ مرے مرنے کا تماشا تم بھی
آخری باب ہے یہ زیست کے افسانے کا

حُسن اور عشق کی تفسیر مکمل ہو جائے
شمع کے ساتھ رہے تذکرہ پروانے کا

مخفیؔ اس طرح سے کچھ عمر بسر کی ہم نے
زندگی کا ہوا اطلاق نہ مر جانے کا

غزل

کچھ حد بھی اے فلک ستمِ ناروا کی ہے
ہر سانس داستاں ترے جور و جفا کی ہے

حاجت دوا کی اور نہ ضرورت دعا کی ہے
اب چھوڑ چارہ ساز جو مرضی خدا کی ہے

دامانِ ضبط چاک تو کر دے جنوں مگر
توہین یہ مرے دلِ غم آشنا کی ہے

خونِ حیات، خونِ طرب، خونِ آرزو
یہ شرح مختصر مری عمرِ وفا کی ہے

غیرت نے میری خود ہی سفینہ ڈبو دیا
دیکھا نظر پھری ہوئی کچھ ناخدا کی ہے

بربادیوں سے درسِ بقا لے رہی ہوں میں
یہ سنتِ کہن شرِ کرب و بلا کی ہے

عرفانِ غم سے نفس کا عرفاں ہوا نصیب
سیڑھی یہ پہلی معرفتِ کبریا کی ہے

ہم سے خزاں نصیب قفس میں بھی شاد ہیں
لائی جو بوئے گُل یہ عنایت صبا کی ہے

خودداریوں نے زیست کو آساں بنا دیا
بیتابیوں کی خُو ہے نہ آہ وُبکا کی ہے

مانا کہ تجھ کو عیش کی جنت نصیب ہے
تحقیرِ غم نہ کر کہ یہ نعمت خدا کی ہے

اس زندگی نے ساتھ کسی کا نہیں دیا

کس بے وفا سے تجھ کو تمنا وفا کی ہے

کشتی کو میری موجوں سے پہنچا نہیں گزند

منّت گذار یہ کرم ناخدا کی ہے

مخفیؔ پناہِ چادرِ زہراؑ نہ چھوڑنا

تعلیم تو سنا ہے کہ دشمن حیا کی ہے

غزل

جینے کا لطف، زیست کا حاصل نہیں رہا

وہ ولولے نہیں رہے وہ دل نہیں رہا

ہنگامہ زارِ شوق ہے یا محشرِ الم

طوفانِ اضطراب ہے وہ دل نہیں رہا

ساقی کی ایک ہی نگہِ التفات میں
مشکل ہمارا عقدۂ مشکل نہیں رہا

یادش بخیر، حاصلِ کونین تھا جو دل
چھٹ کر کسی سے اب کسی قابل نہیں رہا

محفل سے اُٹھ گئے مری حیرت کے آئینے
اب آئینے کے کوئی مقابل نہیں رہا

مخفیؔ قضا نے راہ میں ہم کو مٹا دیا
اندیشۂ درازیِ منزل نہیں رہا

غزل

شیوۂ ضبط کو رسوا دلِ ناشاد نہ کر
لبِ خاموش کو آلودۂ فریاد نہ کر

دل ہے گنجینۂ صد گوہرِ اسرارِ وفا

اے نگاہِ غلط اندازِ اسے برباد نہ کر

صفحۂ دل سے مٹا عظمتِ ماضی کے نقوش

ہیں یہ بھولے ہوئے افسانے انہیں یاد نہ کر

شیوۂ جور کو رکھ اہلِ وفا تک محدود

عام فیضِ خلشِ دردِ خداداد نہ کر

رکھ نظر وسعتِ دامانِ کرم پر اپنے

تو خطا پوش ہے مخفیؔ کی خطا یاد نہ کر
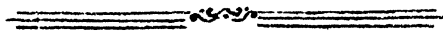
غزل

گردشِ دورِ فلک پر تو عبث ہی معترض
اپنی قسمت کی تباہی اپنے کرداروں میں دیکھ

ہے اگر دنیا میں ایثار و صداقت کی تلاش
قائدِ اعظم کے اقوالوں میں، اقراروں میں دیکھ

ڈھونڈھتا ہے شوکتِ رفتہ اگر اسلام کی
تو اسے عہدِ گذشتہ کے پرستاروں میں دیکھ

ہو جو مردانِ مجاہد کی نظر کو جستجو!
لیگ کی تحریکِ ملی کے علمداروں میں دیکھ

جستجو درپیش ہو مردانِ حق آگاہ کی
ان کو دربارِ رسالت کے وفاداروں میں دیکھ

جگمگاتا تھا کبھی جس سر پہ تاجِ خسروی
سجدہ ریز اس کی جبیں غیروں کے درباروں میں دیکھ

مسندِ اسلام پہ کل تک جو تھا جلوہ فروز
آج اس کو برہمن کے کفش برداروں میں دیکھ

بیخودی پہ جس کی قرباں ہوش اہلِ ہوش کے
وہ سرورِ سرمدی بزمِ کے میخواروں میں دیکھ

خرمنِ باطل کو تھی جس کی تڑپ نظارہ سوز
وہ تجلّی اپنی زنگ آلودہ تلواروں میں دیکھ

اس نے حیدرؓ و فاروقؓ کی دیکھے ہیں دور
عالمِ عہدِ گذشتہ چرخ کے تاروں میں دیکھ

متفرقات

صبح نشاط

(اپنے شوہر کی ولایت سے واپسی پر)

صبح کی دیوی کو پا کر نغمہ سنجِ انقلاب
لے رہا تھا کروٹیں خورشیدِ خاور کا شباب

اپنی موجوں میں صبا لے کر حیاتِ نو کا جام
اِک ادائے ناز سے گلشن میں تھی محوِ خرام

جھلملاتی چاندنی کے تختۂ شفاف پر
نورِ سلمائے حقیقت ہو رہا تھا جلوہ گر

نیّرِ اعظم کا آئینہ تھے ذرّے خاک کے
جل کے ٹھنڈے ہو چکے تھے قمقمے افلاک کے

ہو کے لطف اندوز شب کی محفلِ خاموش میں
مطربانِ سازِ فطرت آ رہے تھے ہوش میں

تھی فضا کی لہر میں دوڑی ہوئی روحِ سرور
بہہ رہا تھا وادیٔ ظلمات میں دریائے نور

ٹوٹنے کو تھا طلسمِ دوشؔ کا قفلِ سکوت
ذرّہ ذرّہ دے رہا تھا زندگانی کا ثبوت

ڈالی ڈالی تھی چمن کی مستِ صہبائے حیات
ہاتھ میں تھا ساقیٔ فطرت کے مینائے حیات

اِک ادائے خاص سے تھا حسنِ فطرت بے حجاب
رُخ سے تھے اٹھے ہوئے جلوہ فروشوں کے نقاب

نور کی آغوش میں ظلمت نہاں ہونے کو تھی
صبحِ شب کی مملکت پر حکمراں ہونے کو تھی

ؔ گذری ہوئی شب۔

صحنِ گلشن میں نسیمِ جاں فزا آوارہ تھی / آنکھ میری مائلِ صد جنتِ نظارہ تھی

اپنے آغوشِ محبت میں اٹھا کر بار بار / دے رہی تھی ہر گلِ نورس[له] کو پیغامِ بہار

وہ سحر تھی جس کے نظّارے کو دل تھا بے قرار / آنکھ تھی جس کے لئے میری سراپا انتظار

وہ سحر تھی جس کا واجب مجھ پہ استقبال تھا / پیچھے پیچھے جس کے میرا نیرِ اقبال تھا

دل سراپا شوق تھا اور آنکھ محوِ دید تھی / یہ سحر در اصل میرے حق میں صبحِ عید تھی

نالۂ بے تاب نے رنگِ اثر پا ہی لیا / بحرِ رحمت سے دعاؤں نے گہر پا ہی لیا

تشنہ لب محفل تھی ساقی لے کے جام آ ہی گیا / باغ کو فصلِ بہاری کا پیام آ ہی گیا

کون ساقی جس کو عادت کم نگاہی کی نہیں / بھول کر جس نے کسی سے کینہ خواہی کی نہیں

ہے کبھی ساقی، کبھی مے کش، کبھی خود جام ہے / اپنے متوالوں کے حق میں فیض جس کا عام ہے

بے وفائی جس کی عادت میں کبھی داخل نہیں / میرے ہوتے غیر پر مائل ہو، ایسا دل نہیں

جس کا دامن مکر سے اور دل ریا سے پاک ہے / جس کی دانائی صداقت کے لئے بے باک ہے

له اپنے بچوں سے مراد ہے۔

ہمعنانِ چرخ جس کی رفعتِ پرواز ہے
جس کی فکرِ آسماں رس پرخرد کو ناز ہے

اس سبک[۵۱] روحی پہ جس کو بردباری ہے پسند
کیمیاگر[۵۲] ہو کے جس کو خاکساری ہے پسند

شاعرات[۵۳] کو دیکھ کر

ہے آتشِ نفاق فروزاں نہ پوچھئے
کیوں کر جہاں ہے شعلہ بداماں نہ پوچھئے

بے باکیٔ نگاہ کے ہاتھوں سے اس قدر
ہے تار تار شرم کا داماں نہ پوچھئے

تقویٰ شکن شباب کی آندھی کے سامنے
کیوں کر بجھی ہے مشعلِ ایماں نہ پوچھئے

کعبہ کا سر جھکا ہے کلیسا کے سامنے
یہ انقلابِ گردشِ دوراں نہ پوچھئے

پیکِ خیال کی جو رسائی سے دور تھا
کیسے ہوا وہ حسن نمایاں نہ پوچھئے

---

۵۱ لطافتِ طبع ۔ ۵۲ ڈاکٹر رفعت حسین صدیقی نے کیمسٹری میں آکسفورڈ سے ڈی فل کی ڈگری حاصل کی ۔
۵۳ تذکرہ شاعراتِ اردو، آغاز سے موجودہ دور تک کی شاعرہ خواتین کا تذکرہ مع انتخابِ کلام و تبصرہ تالیف محمد جمیل ایم اے بریلوی ۔ (ناشر فوزی کتب خانہ بریلی ۱۹۴۳ء) "اس تذکرہ کے اس کلام سے متاثر ہو کر جو عشقیہ اور عریاں ہے

چاروں طرف ہیں حسن کی جلوہ نمائیاں
صد جنتِ نگاہ کے ساماں نہ پوچھیے

یہ مقتضائے وقت کا اللہ رے انقلاب
ہے آج عشق حسن کا مہماں نہ پوچھیے

خونِ حجاب - خونِ وفا - خونِ آبرو
تہذیبِ نو کے ہیں یہی عنواں نہ پوچھیے

دھونی رمائی دیر میں کعبے کو چھوڑ کر
کچھ آج کل کے شیخ کا ایماں نہ پوچھیے

اِس رَو میں شانِ غیرتِ ملّت بھی بہ گئی
شانوں پہ موجِ کاکلِ پیچاں نہ پوچھیے

کھویا گیا وہ رقصِ کلیسا کی تال پر
ممبر سے اب نشانِ مسلماں نہ پوچھیے

غفلت کے ابرِ تار کی ظلمت میں چھپ گیا
رنگِ طلوعِ صبحِ بہاراں نہ پوچھیے

غیرت کا خون سرد، حمیّت کی نبض گُم
اس دردِ لاعلاج کا درماں نہ پوچھیے

مخفیؔ یہ انقلابِ زمانہ کا رنگ ہے
صبحِ وطن ہے شامِ غریباں نہ پوچھیے

عورت

کیا ہے عورت صانعِ قدرت کا رنگیں شاہکار
نشۂ مے کی لطافت، حسنِ فطرت کی بہار

غنچہ و گل کا تبسم موجِ دریا کا خرام
خود فراموشی کی دعوت، خود فروشی کا پیام

کیا ہے عورت ایک رنگیں اور دلکش خواب ہے
یا نزاکت کے چمن کا اک گلِ شاداب ہے

آہ اے شاعر حقیقت کی نہیں تجھ کو خبر
کس قدر محدود و ظاہر بیں ہے اُف تیری نظر

ہے دلِ سادہ ترا وابستۂ قیدِ مجاز
مجھ سے سن عورت کی فطرت کا سمجھنا ہے جو راز

کیا ہے عورت؟ عفت و شرم و حیا کی پاسدار
پیکرِ سعی و عمل، تصویرِ تمکین و وقار

حاملِ انسانیت اور غمگسارِ کائنات
جس کے سوز و ساز سے ہے رونقِ بزمِ حیات

الفتِ معصوم اس کی جیسے طفلی کی حیات
ہے خداوندِ جہاں کا دستِ شفقت اس کی ذات

محفلِ تخلیقِ آدم کی وہ شمعِ جاں فزا
زندگی کی ظلمتوں کو جس نے روشن کر دیا

صبر کے نغموں سے پُر ہے اس کا سازِ زندگی
اس کی چشمِ دور بیں آگاہِ رازِ زندگی

سادگی پر اُس کی قرباں سینکڑوں رنگینیاں
اس کی خاموشی میں پنہاں اس کا اندازِ بیاں

ہو اگر حاصل مقدر سے نگاہِ ژرف بیں
اس کے قدموں کے ہے زیرِ سایہ فردوسِ بریں

اُس کا آغوشِ کرم طفلی کی جنّت سر بسر
اس کا زانو تختِ شاہی دستِ شفقت تاجِ زر

ہے معلّم درسِ اوّل کے پڑھانے کے لئے
خضرِ رہ ہے منزلِ مقصد بتانے کے لئے

ہیں مثالِ مہ جو ہستی کے افق پر جلوہ گر
ہیں اسی معدن کے وہ سارے درخشندہ گہر

جن کی نکہت سے مشامِ دو جہاں ہے فیضیاب
ہیں اسی گلشن کے پروردہ وہ گلہائے خوش آب

استواری اور استقلال میں مشہور ہے
دستبردِ وقت سے عورت کی دنیا دور ہے

اس کا زیور ہے عمل پوشاک ہے صبر و قرار
غم کی تلخی میں بھی ہے اس کا تخیل خوشگوار

ہے وہ صابر دل میں گو پوشیدہ ہوں غم کے شرار
چہرہ سے لیکن نہ ہوگی دل کی حالت آشکار

تختۂ مشقِ ستم یا کشتۂ بیداد ہو
پھر بھی ناممکن زباں آلودۂ فریاد ہو

ملتے ہیں اکثر وفاؤں کے ثمر جور و ستم
پھر بھی ہے پابندِ آئینِ وفا اس کا قدم

خیر خواہِ قوم ہے اس کا دِل درد آشنا
ہے سراپا درد و مہر و صدق و ایثار و وفا

آفریں وہ اس کے دل کا جذبۂ بے اختیار
کرتی ہے وہ اپنی ہمت سے کڑی راہوں کو پار

مخفیؔ اس جنسِ گرانمایہ کی ارزانی ہے آج
ماند اس نایاب گوہر کی درخشانی ہے آج

صبحِ صادق

کس کی آمد ہے یہاں، ہے کون یہ مہر جمال
خوبصورت خوب سیرت زندہ دل روشن خیال

جسکی تابانی سے ظلمت کی گھٹائیں دور ہیں
بحر و بر برگ و شجر تنویر سے معمور ہیں

راہ بر رہرو کی اور غمخوار ہے دلگیر کی
دادرس ہے بیکسوں کے نالۂ شبگیر کی

ہے دعا مظلوم کی جسکے عمل میں مستجاب
فتح و نصرت دائیں بائیں رحمتِ حق ہمرکاب

گلبدن، رشکِ چمن، رنگیں ادا گلگوں قبا
فرق پر تاجِ بزرگی تن پہ عفت کی ردا

سادگی میں کس قیامت کی ٹپکتی ہے پھبن
سارا عالم بن گیا ہے رو کشِ صحنِ چمن

کر دیا عالم منوّر پرتوِ رخسار سے
تازگی گلشن کو بخشی شربتِ دیدار سے

منتظر ہیں جسکے نظارے کے سب شاہ و گدا
ہے پیامِ زندگی جس کی نویدِ جانفزا

یک بیک سارے دلِ خوابیدہ آئے ہوش میں
سو گئے تھے جو لپٹ کر رات کے آغوش میں

تہنیت کو جس کی بزمِ عالمِ امکاں میں
جل رہی ہے شمع کافوری ہر اک ایوان میں

یادِ حق مدِ نظر ہے مردِ با ایمان کو
فکر جانیکی لگی ہے کھیت پر دہقان کو

جھومتے ہیں وجد میں شمشاد اور سرو رواں
رنگِ عشرت ہے چمن کے گوشہ گوشہ سے عیاں

سر بسجدہ ڈالیاں ہیں دیکھکر لطفِ عمیم
اور یہ مژدہ دے رہی ہے باغ کو بادِ نسیم

سونے والو جاگ اٹھو یہ وقت ہے تعظیم کا
ہے تصرف ملک میں اب ملکۂ اقلیم کا

کرکے شبنم سے وضو پھولوں نے اک تقریر کی
بانگ بلبل نے لگائی نعرۂ تکبیر کی

یوں دعا کرتے ہیں مرغانِ نواسنجِ چمن
حشر تک آباد رکھے تجھ کو ربِّ ذوالمنن

خندہ زن ہیں پھول ہیں معصوم کلیاں شادماں
جسطرح ہوں اک جگہ حوران و غلمانِ جناں

رنگِ رخ ہیبت سے فق ہے ماہِ پُر تنویر کا
کس کی آمد نے بدل ڈالا ہے رُخ تصویر کا

آب ہے زُہرہ کا زہرہ دیکھکر اس حال کو | جمع ہے فوجِ کواکب ساری استقبال کو
شب کو ہے تاکید یہ نجمِ سحر کی بار بار | بھیڑ چھانٹو آرہی ہے دخترِ لیل و نہار
اسکے جلوہ کی چمک مانندِ تیغِ بے نیام | چال متوالی چلے جیسے کوئی نازک خرام
گوہرِ ابرِ کرم خلقت پہ برسائی ہوئی | قربِ حق کا راستہ بندوں کو دکھلاتی ہوئی
لائی میدانِ وغا میں توسنِ سیار کو | اور شکستِ فاش دی اک لشکرِ جرار کو
کس کی ہمت ہے کہ اُس سے برسرِ پیکار ہو | شاہِ خاور ساجری جس کا سپہ سالار ہو
پہلے سونپا اسکو فطرت نے نظامِ سلطنت | پھر شہِ خاور نے لی آکر زمامِ سلطنت
ساتھ لے صبر و رضا کو وادیٔ خاموش میں | لیلیٔ شب جا کے سوئی موت کے آغوش میں
جب ہوئی بامِ فلک پر صبحِ صادق جلوہ گر | کاروانِ شب سدھارا باندھ کر رختِ سفر

ہے یہی مخفی طریقہ گردشِ ایام کا
ہو گریزاں صبح کے حملے سے لشکر شام کا

نینی تال

زینتِ کون ومکاں اے گلعذاروں کے دیار — شاہدِ فطرت کی ہیں رنگینیاں تجھ پر نثار

تیرا ہر گوشہ عروسِ زندگی سے ہم کنار — کارگاہِ دہر میں صنعت کے یکتا شاہکار

کس نے بخشی ہے ترے دامن کو یہ رنگیں بہار

ناز سے جب تیرے دامن پر مچلتی ہے صبا — گونجتی ہے بربطِ قدرت کے نغموں کی صدا

شاخساروں پر وہ کلیوں کے تبسم کی ادا — گاتی ہے شیریں ترانے بلبلِ رنگیں نوا

پھول کی نظریں نہیں اب اسکے حق میں نوکِ خار

آشکارا تجھ سے ہے فطرت کی رعنائی کا راز — صبح کا رنگیں تبسم شام کی زلفِ دراز

ذرے ذرے میں ترے کیفیتِ صہبائے ناز — رفعتِ گردوں ترے دامن پہ پڑھتی ہی نماز

تجھ سے ہے فطرت کی شانِ سربلندی آشکار

باعثِ ہنگامۂ محفل ہیں افسانے ترے — دستبردِ دہر سے ہیں دور کاشانے ترے

مستِ مینائے طرب رہتے ہیں دیوانے ترے　　بادۂ عشرت سے ہیں لبریز پیمانے ترے

چھین لیتی ہیں تری سرمستیاں صبر و قرار

دہر میں سرمایۂ ہنگامۂ محفل ہے تو　　رہ نوردِ جادۂ امید کی منزل ہے تو

فیض ہے موجوں کا جسکی عام وہ ساحل ہے تو　　حسن کی لیلائے دل افروز کا محمل ہے تو

ہر ادا تیری کمالِ حسن کی آئینہ دار

جلوہ فرما تختِ زر پر ملکۂ اقلیمِ شام　　بارگاہِ حسن میں ذوقِ نظر کو اذنِ عام

کشتیوں میں وہ حسینانِ جہاں کا اژدحام　　جسطرح سے بدلیوں میں ماہِ کامل کا خرام

جھولتی ہے تیرے جھولوں پر جوانی کی بہار

رات جب آتی ہے گلشن میں ترے مینا بدوش　　ہر لبِ غنچہ سے آتی ہے صدائے ناؤ نوش

چاندنی کی گود میں ہوتے ہیں ہنگامے خموش　　پھر سحر دیتی ہے آکر انکو پیغامِ خروش

خوابِ شیریں سے جگاتی ہے نسیمِ مشکبار

تیرا جامِ خرّمی گو ایک جوئے شیر ہے　　بہرہ ور لذّت سے جسکی ہر جوان و پیر ہے

باعثِ کلفت مگر مزدور کی تقدیر ہے　　زندگانی جس کی اک حسرت بھری تصویر ہے

جس کی حالت دیکھ کر ہوتی ہیں آنکھیں اشکبار

ہے گرفتارِ الم سختی کشِ رنج و ملال　　زندگانی اس کی ہے مرگِ دوامی کی مثال

تنگدست و خستہ جان و مضطر و آشفتہ حال　　ہے بلندی تیری اسکے حق میں پیغامِ زوال

تیری جمعیت ہے اسکے حق میں وجہ انتشار

اک طرف ڈھلتا ہوا دولت کے سانچے میں شباب　　اک طرف بھوکی نگاہیں درد مندِ اضطراب

اک طرف عشرتکدوں میں نغمۂ چنگ و رباب　　اک طرف افلاس و ناداری سے جاں تف و عذاب

خرمنِ امید پر برقِ حوادث شعلہ بار

اف وہ دل جو ہے نزے سنگِ حوادث کا شکار　　تیرے گھر کے کھنڈر ہیں جسکی آرزوؤں کا مزار

جس پہ ہے بے درد انساں کی ستم کوشی کا بار　　خندہ زن ہے جس پہ ہر دم دولتِ سرمایہ دار

کیوں خزاں ہے اسکے حق میں یہ تری فصلِ بہار

مرثیہ نواب بہادر یار جنگ مرحوم مغفور

اب وہ وقتِ سخت آیا ہے کہ دورِ آسماں

لے رہا ہے صبر کا مسلم کے شاید امتحاں

بجھ گئی وہ شمع جس سے انجمن پُر نور تھی

کیوں نہ اٹھے محفلِ ہستی کے سینے سے دھواں

آج اس کی زندگی کا ساز بے آواز ہے

پھونک دی تھی جس نے ملّت کے تنِ مردہ میں جاں

وادیِ غربت میں واماندوں کو روتا چھوڑ کر

سو رہا ہے چین سے مرقد میں میرِ کارواں

آنکھ کو جس کی نہ خیرہ کر سکی دولت کی تاب

قلب کو جس کے نہ مائل کر سکا عیشِ جہاں

قائداعظم کی سچی جانشیں تھی جس کی ذات

کتنے پیروں کو بنایا جس کی ہمت نے جواں

وہ وقارِ قوم وہ ملک و وطن کا جاں نثار

فخرِ میدانِ سیاست نازشِ ہندوستاں

جس کو تھا احساسِ فرضِ ملک و ملت اس قدر

کی نہ کچھ پروائے جاگیر و خطاب و عز و شاں

چل بسا دنیا سے وہ ہم بیکسوں کا دستگیر

اٹھ گیا گیتی سے وہ ہم عاجزوں کا پاسباں

قوم میں لیڈر بھی ہوں گے سینکڑوں سردار بھی

یوں سب ہی ہونے کو ہوں گے پر بہادر خاں کہاں

یمین سے سو مرنے والے جا کے کنج قبر میں

تیرے سر پر ظلِّ دامانِ رسولِ انس و جاں

ہدیۂ تبریک

(بر موقعۂ انتخاب وائس چانسلری جناب ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب)

تھا علی گڑھ کا چمن ہونے کو پامالِ خزاں　　گردشِ قسمت سے رخصت ہو چکا تھا باغباں

تھا شبِ تاریک میں گم کردہ منزل کارواں　　رہنما مفقود، رہ مسدود، جادہ بے نشاں

ڈوبی جاتی تھی بھنور میں کشتیٔ دار العلوم　　چار سو سے بس کہ تھیں گھیرے ہوئے طغیانیاں

اس تلاطم کی کشاکش میں نہ ملتا تھا کوئی　　جو اٹھائے دوش پر ہمت کے یہ بارِ گراں

قوم کی صف سے بڑھا آخر وہ مردِ نیک ذات　　جس کی قومی خدمتوں کے تھے معترف خورد و کلاں

جس نے اس بیڑے کی کی تھی ناخدائی ایسے وقت　　چل رہی تھیں ہر طرف سے جب مخالف آندھیاں

ہے کمال و فضل میں جو آج فخرِ روزگار　　ہے فنِ تعلیم میں جو آج مشہورِ زماں

جس کا اخلاصِ عمل ضرب المثل عالم میں ہے　　جس کی تدبیر و سیاست کا ہے قائل اک جہاں

فخر کر اپنے مقدر پر علی گڑھ فخر کر　　اوج تیرا ہے حریفِ رفعتِ ہفت آسماں

آج ہے وہ ذاتِ والا صدر تیری بزم میں　　جس کے احسانوں کا تیرے سر پہ ہے بارِ گراں

آ گیا قسمت سے تیری رہنمائی کے لئے — جانِ تعلیمِ مسلم کا وہ میرِ کارواں

جس کی اعلیٰ قابلیت کا ہے عالم معترف — جس کی یکتا کاردانی کی ہے دنیا مدح خواں

پیکرِ الطافِ بیحد مظہرِ فیضِ احد — سر ضیاء الدین احمد نازشِ ہندوستاں

اے وقارِ قوم اے قوم و وطن کے افتخار — اے فدائے علم، اے علم و ہنر کے رازداں

تو ہے سچا جانشیں سر سیدِ مرحوم کا — کیوں نہ ہو پیرانہ سالی میں تری ہمت جواں

تیری سیرت، تیری خصلت، تیری شفقت تیرا لطف — دل پسند و دل نشین و دل پذیر و دلستاں

ہیں ترے ایثار کے حُسّاد بھی مدحت سرا — ہیں تری توصیف میں اغیار بھی رطب اللساں

اب صمیمِ قلب سے مخفی ہے یوں وقفِ دعا — جب تلک ہے مہر و مہ سے رونقِ بزمِ جہاں

ہو ضیاءِ دینِ احمد سے منور جامعہ — جامعہ کے نور سے روشن زمین و آسماں

رحمتِ باری رہے سر پر ترے سایہ فگن — اور سائے میں ترے سرسبز ہو یہ گلستاں

تو نے کی ہے دستگیری ملتِ ناچار کی
دستگیری تیری فرمائے خدائے مستعاں

نظم دعائیہ

(ایک عزیز کی فرمائش پر)

مبارک اہلِ بزمِ شادکامی روزِ عید آیا
نقیبِ صبح ہے کر جشنِ عشرت کی نوید آیا

ورق ماضی نے الٹا عہدِ طفلی کی کہانی کا
کیا تیار مستقبل نے نقشہ زندگانی کا

عروسِ شب نے آنکھوں سے لگایا چوم کر سہرا
سحر کے مطربِ رنگیں نے گایا جھوم کر سہرا

خوشا قسمت کہ رکھ کر سر پہ تاجِ کامرانی کو
لباسِ نوعروسی نے سجایا نوجوانی کو

نچھاور کے لئے اک گنجِ زر لیلائے شب لائی
سحر طشتِ افق میں بھر کے لعلِ بے بہا آئی

ہوا سنکی، ہلے بوٹے، کھلے غنچے، ہنسیں کلیاں
مبارک باد سے گونجیں جہاں آبادی گلیاں

بڑھے جب جام لے کر سوئے محفل صاحبِ خانہ
چھلک اٹھا فلک پر ساقیِ فطرت کا پیمانہ

ازل کے روز لکھا تھا یہ قسمت کے نوشتے میں
کہ یہ دُر ہائے روشن منسلک ہوں ایک رشتے میں

ہوئی تا شام رخصت جشنِ نو کی گرم بازاری
نظر کے سامنے ہے اب جدائی کی گھڑی بھاری

دلِ نازک سے سیلابِ جدائی آکے ٹکرایا
تبسم آنسوؤں کی موج میں بہتا نظر آیا

جدائی سے تری گو شیشۂ دل چور ہے پیاری　مگر رسمِ زمانہ ہے یہی دستور ہے پیاری

سکونِ قلبِ مادر ہے تری صورت کا نظارہ　مرا آغوشِ الفت ہی، تری عشرت کا گہوارہ

بہارِ باغِ طفلی کے ترانے ختم ہوتے ہیں　مری دیرینہ الفت کے فسانے ختم ہوتے ہیں

جو ہے ماضی سے بیگانہ وہ مستقبل بنانا ہے　تجھے اب اک نئی دنیا میں جاکر دل لگانا ہے

قدم رکھنا ہے تسلیم و رضا کی پہلی منزل میں　نشیمن اب بنانا ہے کسی کے خانۂ دل میں

ادب سے حسنِ خدمت سے کسی کو رام کرنا ہے　سدا گہوارۂ عشرت میں پھر آرام کرنا ہے

دعا کے ساتھ کرتا ہے تجھے رخصت پدر بی بی　رہے تیری تجلی سے منور تیرا گھر بی بی

معطر ہو گلِ عشرت کی خوشبو سے چمن تیرا　سبق آموز ہو اہلِ زمانہ کو چلن تیرا

شگفتہ غنچۂ صد رنگ ہو تیری جوانی کا　ہمیشہ پیش خیمہ ہو نشاطِ جاودانی کا

نمونہ بن کے دنیا میں رہے خلقِ پیمبر کا　نہ چھوٹے ہاتھ سے دامن ترے زہراؑ کی چادر کا

دعا ہے تجھ پہ سایہ دامنِ آلِ عبا کا ہو　عنایت مصطفیٰؐ کی ہو کرم ربِ علیٰ کا ہو

ترے گلشن میں جب آئے ہوائے سازگار آئے　ترا گھر ہمسرِ باغِ جناں ہو وہ بہار آئے

دمِ رخصت بھلا کیا اس سے بڑھ کر دوں دعا تجھ کو　ملے سرمایۂ اخلاقِ بنتِ مصطفیٰؐ تجھ کو

سہرا

(بتقریب شادی ڈاکٹر محمود احمد صاحب پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

ادا سے کون رشکِ مہر نکلا باندھ کر سہرا
درخشاں ہے شعاعِ رُخ سے مانندِ سحر سہرا

فلک پر آج زُہرہ یہ مبارکباد گاتی ہے
بندھے یُمن و سعادت کا مرے نوشہ کے سر سہرا

مسرت سے چمن میں کھل کھلا کر ہنس پڑیں کلیاں
نسیم روح پرور نے جو گایا جھوم کر سہرا

نظر دولہ کی سہرے پر ہے اور سہرے کی دولہ پر
نگاہوں میں سناتا ہے مسرت کی خبر سہرا

کہاں تھی پیشتر اس میں یہ رنگینی یہ شادابی
جمالِ روئے نوشہ سے ہے فردوسِ نظر سہرا

کبھی فرطِ محبت سے بلائیں رخ کی لیتا ہے
عقیدت سے جھکاتا ہے کبھی قدموں پہ سر سہرا

نگاہِ بد سے حاسد کی بچانے کے لیے شاید
بنا ہے فرق پر حسنِ دل آرا کی سپر سہرا

عزیزوں کی تمنا اسکی لڑیوں سے ہے وابستہ
ہے خواہر کی خوشی، مادر کا دل جانِ پدر سہرا

کسی معصوم کے دل کی دعا کا جلوۂ رنگیں
کسی خوش بخت کے نخلِ تمنا کا ثمر سہرا

زبس ہے فخر افزان وا ماثل علم و حکمت میں ۔۔۔ نہ کیوں ہو علم و حکمت کا بھلا نوشہ کے سر سہرا

دعا یہ دوستوں کی ہے کہ یارب باغ ہستی میں ۔۔۔ بہارِ کامرانی کا بنے پیغامبر سہرا

مبارک ہو الٰہی ڈاکٹر محمود احمد کو ۔۔۔ یہ مقبولِ جہاں مقنع، یہ منظورِ نظر سہرا

دلھن دولہ کو یہ عقدِ مبارک سازگار آئے ۔۔۔ بنے تمہیدِ صد عیش و مسرت سر بسر سہرا

خوشی کی تہنیت میں بیگمِ رفعت کی جانب سے

ہے نذرِ حضرتِ[۵۱] احمد حلیم خوش سیر سہرا

[۵۱] اے۔بی۔اے حلیم پرو وائس چانسلر و پروفیسر ہسٹری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

سہرا

بہ تقریب شادی خانہ آبادی انعام الحق صاحب پروفیسر انگلو عربک کالج دہلی

یہی کہتے ہیں باہم دیکھ کر اہلِ نظر سہرا
کہ اوجِ بخت کا ہے آج کل نوشہ کے سر سہرا

جلو میں اپنی لایا ہے امیدوں کی سحر سہرا
حیاتِ عشرتِ تازہ کا ہے پیغامبر سہرا

یہ شانِ حسن و زیبائی ہیں مہر و مہ تماشائی
بہ صد اندازِ یکتائی ہوا ہے جلوہ گر سہرا

کبھی ہے غیرتِ گلشن کبھی ہے رشکِ معدن
کبھی ہے رشکِ گل سہرا کبھی رشکِ گہر سہرا

ہے گوہر بار، گوہر خیز، گوہر ریز، گوہر زا
برنگِ بحرِ بے پایاں مثالِ ابرِ تر سہرا

بہاراں در بہاراں، گلستاں در گلستاں ہوگا
ابھی کیا ہے ذرا آنے دو اپنے رنگ پر سہرا

نہیں سہرا یہ ہالہ ہے رخِ ماہِ درخشاں کا
نہیں کرنوں کا ہے یہ چہرۂ خورشید پر سہرا

تصدق کیوں اس پر نگاہیں کامرانی کی
کہ اقلیمِ جوانی کا بنا ہے تاجور سہرا

تصدق میں الٰہی آل و اصحابِ محمدؐ کے
پھلے پھولے جہاں میں مثلِ نخلِ باردر سہرا

پروئے خوب دُرہائے مضامیں تم نے اے مخفیؔ
عجب کیا گر بنا ہمسنگِ یاقوت و گہر سہرا

سہرا

بتقریبِ شادی ڈاکٹر سید یاور عباس صاحب

نہ کیوں ہو اے تعالیٰ اللہ منظورِ نظر سہرا
عزیزوں کے نہالِ آرزو کا ہے ثمر سہرا

کھلے جاتے ہیں دل ماں باپ کے فرطِ مسرت سے
کہ باندھے گا خدا کے فضل سے نورِ نظر سہرا

نبیؐ حامی، علیؑ ناصر، ہیں عباسؑ جری یاور
عطا و لطف سے حسینؑ کی ہے بہرہ ور سہرا

دلہن پر اصل میں سایہ فگن ہے دامنِ زہراؑ
بظاہر گو نظر آتا ہے فرقِ ناز پر سہرا

دلہن ہے عابدہ سی، یاورِ عباس سا دولھا
فلک پر کیوں نہ دیکھیں رشک سے شمس و قمر سہرا

اگر سچ پوچھئے نورٌ علیٰ نور اس کو کہتے ہیں
قمر ہے عارضِ نوشہ تو ہے ضوئے قمر سہرا

ہوا خواہی تو دیکھو چشمِ بد بیں سے بچانے کو
بنا بزمِ طرب میں روئے نوشہ کی سپر سہرا

حضورِ ڈاکٹر عباسؔ[1] سے ہے تحفہ مسرت کا
نہیں ہے مجھ کو مخفیؔ حیلۂ عرضِ ہنر سہرا

؎ ڈاکٹر سید ناصر عباس صاحب دہلی۔